مجاہد ملت

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

اور

ریاست رامپور

مفتی سعید الظفر قاسمی

مفتی و استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم، ٹانڈہ

سابق معین مدرس دار العلوم دیوبند

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

اور

ریاست رامپور

اس تحقیقی مقالہ میں ریاست رامپور کی تاریخ اور انضمام کے وقت خصوصی درجہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی مساعی جمیلہ اور عالمگیر شہرت یافتہ ادارہ ''مدرسہ عالیہ'' کے قدیم نصاب کی تفصیل اور جدید نصاب کی ترتیب میں مجاہد ملتؒ کی شرکت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، معتبر حوالہ جات اور مقالہ کے ضمن میں مذکور شخصیات کے تعارف کی تعداد سو سے زائد حاشیہ میں درج کی گئی ہے، جس سے اعتبار و استناد میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

از

مفتی سعید الظفر قاسمی

مفتی جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ

سابق معین مدرس دار العلوم دیوبند

نشر و اشاعت

دار الترجمۃ والتحقیق

ٹنڈولہ، ٹانڈہ، رامپور، یوپی

تفصیلات

اشاعت: رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء

نام کتاب	:	مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور ریاست رامپور
نام مؤلف	:	مفتی سعید الظفر قاسمی مفتی جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ وسابق معین مدرس دارالعلوم دیوبند
زیر اہتمام	:	ارحم سعید سلمہ
صفحات	:	۱۰۴
ناشر	:	دارالترجمۃ والتحقیق ٹانڈہ

ملنے کا پتہ

دارالترجمۃ والتحقیق

ٹنڈولہ، ٹانڈہ، رامپور یوپی

۹۰۱۵۴۲۴۰۴۷

فہرست عناوین

❍	پیش لفظ	۹
❍	**تقریظ:** حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم	۱۴
❍	**تقریظ:** حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم	۱۵
❍	**پیغام:** حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم	۱۶
❍	**تأثرات:** حضرت مولانا مفتی عفان منصور پوری مدظلہ العالی	۱۸
❍	**رائے عالی:** پروفیسر شریف حسین قاسمی	۲۰
❍	مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے مختصر حالاتِ زندگی	۲۵
۞	**باب اول: ریاست رامپور**	۲۸
❍	رامپور کے نوابین پر سرسری نظر	۲۹
❍	نواب محمد علی خاں	۳۰
❍	نواب غلام محمد خاں	۳۱
❍	نواب احمد علی خاں	۳۲
❍	نواب سعید احمد خاں	۳۳
❍	نواب یوسف علی خاں	۳۴
❍	نواب کلب علی خاں	۳۶
❍	نواب مشتاق علی خاں	۳۷
❍	نواب حامد علی خاں	۳۸
❍	نواب رضا علی خاں	۳۸

❍	نواب رضا علی خاں کا دورترقی	۳۹
❍	ریاست رامپور میں جمہوریت کے آثار	۴۰
❍	ریاست رامپور کے وزرائے اعلیٰ	۴۱
❍	خان بہادر مسعود الحسن	۴۲
❍	کرنل بشیر حسین زیدی	۴۲
❍	جدید ریاست رامپور کے خدوخال	۴۳
❍	رامپور ہائی کورٹ کا قیام	۴۴
❍	پہلی سیکولر جماعت نیشنل کانفرنس کا قیام	۴۶
❍	نوابی دور کے خاتمہ کا آغاز اور سیاسی مفاد کے لئے کوششیں	۴۷
❍	مسلم کانفرنس کا قیام اور اس کا سیاسی پس منظر	۴۹
❍	پاکستان میں شمولیت کا مطالبہ اور ریاست کی طرف سے وضاحت	۵۰
❍	ہندو سبھا کا قیام اور اس کا سیاسی پس منظر	۵۱
❍	مسلم کانفرنس کا اجلاس اور گرفتاریاں	۵۲
❍	ہندو مسلم فساد کی حقیقت	۵۲
❍	مکانات میں آگ لگادی گئی	۵۳
❍	غیر مسلموں کا ریاست رامپور چھوڑنے کی حقیقت	۵۵
❍	غیر مسلموں کے نام نواب رضا کا پیغام	۵۵
❍	ہندو مسلم تنظیمیں حکومت رامپور کے اشارہ پر قائم ہوئیں	۵۶
❍	بشیر حسین زیدی کی کتاب میں فساد اور انضمام ریاست کا پس منظر	۵۷
❍	سردار پٹیل کی اہل رامپور سے بدگمانی اور مجسٹریٹ کی رپورٹ	۵۹
❍	نواب رامپور اور زیدی صاحب کا انضمام ریاست میں سیاسی مفاد	۶۱

❍	ریاست رامپور میں جمہوری حکومت کے قیام میں مجاہد ملت کا کردار	۶۲
❍	انضمام ریاست کے سلسلہ میں اہل رامپور کی رائے	۶۴
❍	ریاست رامپور کے انضمام میں مجاہد ملت اور جمعیت علمائے ہند کا موقف	۶۵
❍	ریاست رامپور کے ارباب اقتدار کی جلد بازی اور عوام کی مالی مشکلات	۶۸
❍	مولانا آزاد کی مجبوری	۶۹
❁	**باب دوم: مدرسہ عالیہ کا مختصر تعارف**	۷۲
❍	مدرسہ عالیہ کے نامور اساتذہ	۷۴
❍	مدرسہ عالیہ کا نصاب تعلیم	۷۶
❍	مدرسہ عالیہ کے نصاب میں ترمیم کی ابتداء	۷۹
❍	مدرسہ عالیہ سے مولانا آزاد کی ہمدردی	۸۰
❍	اصلاح نصاب کی کمیٹی میں مولانا سیوہاروی کی شرکت	۸۲
❍	مجوزہ نصاب کا مسودہ اراکین کی خدمت میں	۸۵
❍	مجوزہ نصاب کے بارے میں مولانا سیوہاروی کی رائے	۸۷
❍	مجوزہ نصاب کی ترتیب	۸۸
❍	درس نظامی اور مجوزہ نصاب	۸۹
❁	**مجوزہ نصاب، مدت تعلیم اور مضامین نصاب**	۹۱
❍	مرحلہ ابتدائیہ	۹۱
❍	درجات غوثیہ کے مضامین	۹۱
❍	لازم مضامین	۹۱
❍	اختیاری مضامین	۹۱

○	درجات غوثیہ کا تفصیلی نصاب	۹۲
○	درجات وسطانیہ کے مضامین	۹۲
○	لازم مضامین	۹۲
○	اختیاری مضامین	۹۲
○	درجات وسطانیہ کا تفصیلی نصاب	۹۲
○	دینیات وعربی مخلوط (لازم)	۹۲
○	قرات (اختیاری)	۹۳
○	خیاطی (اختیاری بذیل حرفہ)	۹۳
○	نقاشی (اختیاری بدیل حرفہ)	۹۳
○	مرحلہ عالیہ	۹۴
○	درجات لائق کے مضامین	۹۴
○	لازم مضامین	۹۴
○	اختیاری مضامین	۹۴
○	درجات لائق کا تفصیلی نصاب واہم مضامین	۹۴
○	دینیات وعربی ادب (لازم)	۹۴
○	طب (اختیاری)	۹۵
○	خطاطی (اختیاری بذیل حرفہ)	۹۵
○	نقاشی (اختیاری بذیل حرفہ)	۹۵
○	درجات مولوی کا تفصیلی نصاب	۹٦
○	دینیات وعربی ادب ومبادی منطق (لازم)	۹٦
○	طب (اختیاری)	۹٦

❍	خطاطی (اختیاری بذیل حرفہ)	۹۶
❍	نقاشی (اختیاری بذیل حرفہ)	۹۶
❍	درجات عالم کے مضامین	۹۶
❍	لازم مضامین	۹۶
❍	اختیاری مضامین	۹۶
❍	درجات عالم کا تفصیلی نصاب	۹۷
❍	دینیات و منطق وفلسفہ قدیم (لازم)	۹۷
❍	عربی ادب (اختیاری)	۹۷
❍	درجات فاضل کے مضامین	۹۷
❍	درجات فاضل کی تقسیم	۹۷
❍	درجات فاضل دینیات کا تفصیلی نصاب	۹۷
❍	درجات فاضل دینیات میں کتب برائے مطالعہ	۹۸
❍	درجات فاضل ادبیات کا تفصیلی نصاب	۹۸
❍	درجات فاضل ادبیات میں کتب برائے مطالعہ	۹۸
❍	درجات فاضل عقلیات کا تفصیلی نصاب	۹۸
❍	درجات فاضل عقلیات میں کتب برائے مطالعہ	۹۹
❍	درجہ فاضل تاریخ اسلامی کا تفصیلی نصاب	۹۹
❍	درجہ فاضل تاریخ اسلامی میں کتب برائے مطالعہ	۹۹
❍	درجات تخصص ''علامہ'' کے مضامین	۹۹
❍	درجہ تخصص ''علامہ تفسیر'' کا تفصیلی نصاب	۱۰۰
❍	درجہ تخصص ''علامہ حدیث'' کا تفصیلی نصاب	۱۰۰

درجہ تخصص ''علامہ فقہ'' کا تفصیلی نصاب	۱۰۰
مدرسہ عالیہ اور سرکاری اسکولوں کا نصاب	۱۰۱
نصاب بیسک مکاتب ۱۹۵۴ء	۱۰۱
نصاب جونیر ہائی اسکول ۱۹۵۴ء	۱۰۲
لازم مضامین	۱۰۲
اختیاری مضامین	۱۰۲
نصاب ہائی اسکول ۱۹۵۸ء	۱۰۲
لازم مضامین	۱۰۲
اختیاری مضامین برائے ادبی گروپ	۱۰۲
سائنس گروپ	۱۰۳
کامرس گروپ	۱۰۳
تعمیری گروپ	۱۰۳
نصاب انٹرمیڈیٹ درجات ۱۹۵۸ء	۱۰۳
لازم مضامین	۱۰۳
اختیاری مضامین برائے ادبی گروپ	۱۰۳
سائنس گروپ کے مضامین	۱۰۳
کامرس گروپ	۱۰۴
کانسٹرکٹو گروپ	۱۰۴
نصاب بی اے آگرہ یونیورسٹی ۵۹۔۱۹۵۸ء	۱۰۴
لازم مضامین	۱۰۴
اختیاری مضامین	۱۰۴

پیش لفظ

نواب فیض اللہ خان نے ۱۷۷۵ء میں ریاست رامپور کی بنیاد رکھی اور یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو ہندوستانی حکومت میں ضم ہو کر یہ روہیلہ اقتدار کی آخری یادگار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، اس مدت میں نو والیان ریاست مسند نشین ہوئے، ہر نواب کے دور میں ان کے عادات واطوار اور سیاسی منصوبہ بندی کے نتیجے میں عروج وزوال کی مختلف شکلیں سامنے آتی رہیں، آخر کار ۲۰/ جون ۱۹۳۰ء کو نواب رضا علی کے تخت نشین ہونے کے بعد ریاست رامپور نے ترقیات کی نئی تاریخ رقم کی۔

حقیقت میں اس دور کو ریاست کے لئے جمہوریت کی خشت اول کہا جا سکتا ہے اس دور میں شخصی حکمرانی کا وہ جلال اور طمطراق باقی نہیں رہا جو دیگر نوابین کے دور حکومت میں ہوا کرتا تھا، اب جمہوری بیداری کا آغاز ہو چکا تھا، حکومت کے اقدامات پر نقد وتبصرہ، لوگوں کے اپنے مطالبات اور ان کے لئے عوامی تحریکات کا بھی آغاز ہو چکا تھا، قانون کی بالا دستی کے لئے ذیلی عدالتوں سے ہائی کورٹ تک قائم کیا، نواب رضا علی خاں نے اپنی ریاست میں صنعت وحرفت کو فروغ دینے کے لے صنعت کاروں کو سستے داموں میں زمینیں فراہم کیں اور ان کی ترقی کے لے ہر ممکن تعاون کیا؛ چنانچہ چند ہی سالوں میں کانپور کے بعد رامپور سب سے بڑا صنعتی شہر بن گیا، لوگوں

کے لئے روزگار کے دروازے کھل گئے، آس پاس کے غریب لوگ دووقت کی روٹی کے لئے یہاں کا رخ کرنے لگے۔

ریاست رامپور نے ابھی ترقی کے پہلے زینے پر قدم ہی رکھا تھا کہ ہندوستان برسوں کی غلامی سے آزاد ہوگیا اور انڈین یونین نے ہندوستانی ریاستوں کو ہندوستان میں ضم کرنے کا فیصلہ کرلیا، ہندوستان کی امن وسلامتی، حفاظت، ترقی اور یکجہتی کے لئے یقیناً یہ اچھا فیصلہ تھا۔ مسلم رہنماؤں نے اس کا استقبال کیا، جمعیۃ علمائے ہند نے بھی تائید کرنے میں پہل کی۔

بس جمعیۃ علماء ہند اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی کوشش تھی کہ ہندوستان میں ضم ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست رام پور کی انفرادی اور خصوصی حیثیت ہمیشہ کے لئے یا کم از کم اس وقت تک برقرار رکھی جائے، جب تک یہاں کے عوام کی مفلوک الحالی ختم نہ ہو جائے اور مالی واقتصادی بحران سے مقابلے کے لئے اسباب ووسائل مہیا نہ ہو جائیں، اس موقف میں اہل ریاست کے مستقبل کی خوشحالی کی ضمانت تھی؛ چونکہ ریاست میں اب تک جو جمہوری آثار نمودار ہوئے تھے اور ریاستی سطح پر ایک ذمہ دار آئینی حکومت وجود میں آئی تھی، وہ حضرت مجاہد ملتؒ کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ تھی، اس لئے حضرت مجاہد ملتؒ نے عوام سے لے کر حکمرانوں تک پوری کوشش کی کہ ریاست کو انفرادی درجہ حاصل ہو جائے، مقامی قائدین کے ساتھ مولانا آزاد وغیرہ سے بار بار ملاقاتیں کیں، عوام میں بیداری پیدا کی، درمیان میں مختلف اہم ذرائع پیدا کئے، مگر افسوس ریاست کی اندرونی صورتحال اور بعض حضرات کے ذاتی مفادات کی وجہ سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تاسیس کے سو سال مکمل ہونے پر اکابر جمعیت کے احوال وخدمات پر اہم سیمیناروں کا سلسلہ شروع کیا، حضرت مجاہد ملتؒ کے حالات اور پروگرام طے ہوا تو احقر کو بھی ایک خاص پہلو ''انضمام ریاست رامپور اور حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی عملی کوششوں'' کے بارے میں لکھنے کا حکم ہوا۔

اس مقالہ کی تیاری میں مطالعہ کے دوران معلوم ہوا کہ حضرت مجاہد ملتؒ کا اس ریاست سے قدیم تعلق تھا، صرف انضمام ہی نہیں؛ بلکہ بہت سارے ریاستی معاملات میں موصوف کا دخل تھا، ان تمام میں ریاست رامپور سے مجاہد ملتؒ کے دو تعلق بہت واضح نظر آتے ہیں اس لئے احقر نے اس مقالہ کو دو باب میں تقسیم کیا ہے، پہلا باب انضمام ریاست کے سلسلے میں ہے، اس وقت ریاست رامپور میں جو حالات پیش آئے یا حالات پیدا کئے گئے جس میں کچھ لوگوں کے ذاتی مفادات شامل تھے، اس پورے پس منظر کو سمجھے اور سمجھائے بغیر مجاہد ملتؒ کی کوشش اور ان کی ناکامی کی وجوہات سمجھ میں نہیں آسکتی، اس لئے پورے منظر اور پس منظر کو بیان کرکے تجزیہ کیا گیا ہے۔، حیرت کی بات ہے کہ اس دور کے تذکرہ نگاروں نے مجاہد ملتؒ اور جمعیۃ علماء کی کوششوں کا واضح الفاظ میں دیگر قائدین کی طرح تذکرہ نہیں کیا ہے اور اس حقیقت کے ذکر کرنے میں جیسا اس کا حق تھا، بے توجہی برتی گئی ہے، احقر نے اس موضوع سے متعلق بکھرے ہوئے مواد اور معلومات کو استنباطی نہج پر ترتیب دیا ہے۔

دوسرا باب ریاست رامپور بلکہ ایشیاء کی مشہور علمی درسگاہ ''مدرسہ عالیہ'' کے نصاب کی جدید ترتیب وتشکیل کے بارے میں ہے، یہ ادارہ علوم مشرقیہ کا عظیم مرکز تھا،

جہاں ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور دور دراز کے طلبہ اور علماء حصول علم کے لئے یہاں آتے تھے، یہاں بڑے بڑے ماہرین علم وفن نے مسند درس قائم کیں، جن کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی؛ چونکہ مدرسہ کا قیام بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلیؒ کی سربراہی میں ہوا تھا جو مرتب درس نظامی ملا نظام الدین سہالویؒ کے صاحبزادے تھے اور مدرسہ کے اساتذہ بالعموم سہالوی خانوادے سے علمی انتساب رکھتے تھے؛ اس لئے یہاں شروع سے ہی درس نظامی جاری تھا اور کسی بڑی تبدیلی کی امید بھی نہیں تھی، البتہ طلبہ کی ضرورت اور استعدد کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہی، پھر ایک وقت آیا کہ بیسویں صدی میں تعلیمی انحطاط شروع ہوا، جس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، ان پر بحث کی گنجائش ہے، مگر عام طور پر قدیم نصاب کو اس کا ذمہ دار مانا گیا اور نصاب کی جدید ترتیب کے لئے ''اصلاح'' کے نام سے تحریک شروع ہوئی اور ترتیب جدید کے لئے کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں حضرت مجاہد ملتؒ اہم رکن تھے، عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نصاب مرتب بھی ہوگیا، مگر یوپی حکومت کی بے توجہی سے وہ نافذ نہیں ہوسکا، لیکن اہل علم کے لئے قابل قدر چیز ہے۔

اس مقالہ میں مجوزہ جدید نصاب کو پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ مدرسہ عالیہ کا تعلیمی دور کتنے سال کا ہوگا، اس میں کتنے درجات ہوں گے اور ان کی کتابیں اور مضامین کیا کیا ہوں گے؟ الغرض ہر ایک چیز کو واضح کرنے کے لئے سب پر ذیلی عناوین قائم کر دیئے ہیں۔ احقر اتنا تو عرض کر ہی سکتا ہے کہ یہ نصاب بڑی محنت اور غور وخوض کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور علوم اسلامی میں تعمق اور تبحر رکھنے والے وسیع

النظر لوگوں سے صلاح ومشورہ کیا گیا ہے؛ بلکہ کہنا چاہئے کہ یہ اہل علم کی ایک بڑی جماعت کا کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین

مقالہ میں معتبر ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، امید ہے کہ اس دور کے حالات کو سمجھنے میں یہ تحریر معاون ضرور ہوگی، مقالہ میں مذکور شخصیات واماکن کا مختصر تعارف بھی حواشی میں شامل کردیا گیا ہے جس سے اعتبار واستناد میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

انضمام ریاست سے متعلق عنوان کا انتخاب مفتی ریاست علی صاحب مدظلہ العالی استاد حدیث جامع مسجد امروہہ نے فرمایا اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داران کو متوجہ کیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا محمود اسعد صاحب دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند کا شکر گزار ہوں کہ آنجناب نے سیمینار میں شرکت کی دعوت دے کر اس اہم موضوع پر خامہ فرسائی کا موقع عنایت فرمایا اور دعائیہ کلمات سے نواز کر حوصلہ افزائی فرمائی، پروفیسر شریف حسین قاسمی صدر شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی دہلی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ مصروفیت کے باوجود وقت نکال کر مقالہ از اول تا آخر دیکھا اور اپنی رائے سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور اس تحریر کو قبول عام عطا فرمائے۔ آمین

سعید الظفر قاسمی
مفتی جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ
۵/رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband
(مفتی) ابو القاسم نعمانی
مہتمم دار العلوم دیوبند، الہند
PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222429, Fax: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. No.......... Date:....................

باسمہ سبحانہ وتعالی

تقریظ

جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس کے سوسال مکمل ہونے پر اکابر جمعیۃ علمائے ہند نے صد سالہ تقریبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جو دیر تک جاری رہا۔ ان تقریبات کی ایک اہم کڑی کے طور پر جمعیۃ کے سوسالہ سفر میں اس کاروان جہد وعمل کی سربراہی کرنے والے متعدد اکابر علماء اور قائدین کی شخصیات سے منسوب اور ان کی حیات وخدمات کے تعارف کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں سیمینار بھی منعقد کیے، من جملہ دیگر اکابر اور قائدین کے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند کے نام سے منسوب ایک اہم سیمینار بھی انعقاد پذیر ہوا، جس میں متعدد اہل علم، اصحاب قلم اور مقالہ نگاروں نے حضرت مجاہد ملت کی حیات اور کارناموں کے مختلف پہلوؤں کو اپنا موضوع بحث بنایا۔

پیش نظر کتاب دراصل اسی سلسلہ کی ایک اہم کاوش ہے۔ اس مقالہ میں جناب مفتی سعید الظفر قاسمی نے حضرت مجاہد ملت کے ان بعض اہم کارناموں کو تحقیق وتفتیش اور جمع وترتیب کے ذریعہ اجاگر کیا ہے جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں۔ حوالہ جات پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ صاحب مقالہ نے اس سلسلے میں کافی محنت کی ہے، اور باذوق قارئین کے لیے ایک بہترین تاریخی ومعلوماتی تحفہ تیار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو ملت کے لیے نافع اور مفید بنائے، اور مرتب کتاب کی خدمات کو قبول فرمائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۳رشعبان۱۴۴۴ھ

Ph.: (01336) 23044

Abdul Khaliq Madrasi
Professor
DARUL ULOOM
DEOBAND - 247554 U.P. INDIA

عبد الخالق مدراسی
الأستاذ بالجامعة الاسلامية
دارالعلوم۔ دیوبند۔ یوپی۔ الهند

الرقم ....

التاریخ ..۲۳/۸/۱۴۳۰ھ....

باسمہ تعالیٰ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

آزادی کے بعد ملک کی اجتماعیت کے لئے شخصی ریاستوں کا مرکزی ہندوستان میں انضمام اور الحاق نہایت اہم قدم تھا، ہمارے اکابر اور جمعیۃ علماء ہند نے اس کی تائید کی تھی؛ البتہ اکابر جمعیۃ کی دلی خواہش تھی اور اسی کے لئے تمام تر جدوجہد تھی کہ کسی طرح بعض ریاستوں کو مستقل یا کچھ وقت کے لئے خصوصی رعایت مل جائے کہ وہاں کے باشندگان ان مراعات سے فائدہ اٹھا کر معاشی اور تعلیمی بحران سے نکلنے کا راستہ تلاش کر سکیں۔

ریاست رام پور اپنے دور واپسیں میں روہیلکھنڈ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب ہی کے لئے آخری سہارا تھی، ریاست میں صنعتی اور حرفتی ترقیات کا آغاز ہو چکا تھا، جمعیۃ علماء خصوصاً مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں اگر خصوصی درجہ یا رعایت مل جاتی تو سب ہی کو فائدہ ہوتا اور مثبت نتائج برآمد ہوتے۔

مولوی ومفتی سعید الظفر سلمہٗ نے اکابر کی اس مبارک کوشش کو بڑی محنت اور شرح وبسط کے ساتھ مرتب کیا ہے، احقر نے جستہ جستہ دیکھا، دلی خوشی ہوئی، بندہ رب العالمین سے دعا گو ہے کہ اس کتاب کو قبول عام وخاص عطا فرمائیں اور مؤلف کو حوصلہ اور اپنی شایان شان انعام سے نوازیں، آمین۔

والسلام

خادم التدریس دارالعلوم ۔ دیوبند
۲۳/۸/۱۴۳۰ھ

Banglore Residential Phone : 080 - 6576519, 6564160

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعیۃ علماء الہند
Jamiat Ulama-i-Hind
1-BAHADUR SHAH ZAFAR MARG, NEW DELHI- 110 002
E-mail : info@jamiat.org.in • URL : www.jamiat.org.in
© 23311455
23317729

پیغام

حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کا شمار ملک کی ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے، جو بیک وقت تعلیم وتعلم، تصنیف وتالیف، خدمت خلق، ملی وملکی سیادت وقیادت کے شہ سوار تھے۔ان کی ذات خود میں ایک انجمن تھی، ذہانت، ہوش، عقل وبصیرت کی تصویر تھی۔ان کی پر جوش مجاہدانہ زندگی کا ایک غالب رنگ ان کی باہوش سیاست تھی۔آپ نے جس خلوص، انہماک، ایثار اور عزم واستقلال کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آزادی وطن کے لیے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، اسی درجہ کی فراست مندی اور مستحکم نظریے کے ساتھ ملک کے لیے آئین سازی میں اپنا کردار ادا کیا، تقسیم وطن کی مخالفت کی اور ملت اسلامیہ کے سیاسی وقومی وجود کی حفاظت کے لیے ارباب اقتدار کے سامنے ڈٹ کر اپنا موقف پیش کیا، اس میں نہ کسی مرعوبیت کا دخل تھا اور نہ کسی کو خوش کرنے کے جذبہ کارفرما تھا:

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

اس سلسلے کی ایک کڑی حضرت مجاہد ملتؒ کی وہ مساعی جمیلہ تھیں، جن کا مقصد رامپور کی سیاسی اور علمی فضا کو صحیح سمت پر لے جانا تھا۔آپ اس امر کے لیے کوشاں تھے کہ آزادیٔ وطن کے بعد ریاست رام پور کا انضمام، اہالیان رام پور کے حقوق اور وقار کے تحفظ کا ضامن ہو۔حضرت مجاہد ملتؒ کی اس کوشش کو گرچہ سیاسی طبع

آزمائی کی وجہ سے وقتی کامیابی نہ ملی، لیکن وہ اس اصولی موقف سے کبھی دست بردار نہ ہوئے کہ ہر شہری کو اس کا پورا پورا حق ملے اور ریاستوں کو داخلی مختاری کا وافر حصہ دیا جائے تاکہ وفاق کا ڈھانچہ مستحکم ہو۔ آپ اگر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے پیش کردہ مدنی فارمولا کا مطالعہ کریں گے تو ہمارے اکابر رحمہم اللہ کی سیاسی بصیرت وفراست کا بخوبی اندازہ فرمائیں گے کہ آج دنیا جس وفاقی نظام پر لیکچر دیتی ہے اور مغربی دنیا اپنے اختیار کردہ وفاقی نظام کو مزید مستحکم کرنے کے لیے کوشاں ہے، وہ دہائیوں پہلے مدنی فارمولا میں موجود ہے۔

محترم مولانا مفتی سعید الظفر صاحب قاسمی مفتی جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ نے زیرِ نظر کتاب میں حضرت مجاہد ملتؒ کی زندگی کے اس اہم سیاسی گوشے پر روشنی ڈالی ہے، جو آج تک عام حلقوں سے پردۂ خفا میں تھا۔ موصوف نے اس کے علاوہ مدرسہ عالیہ رام پور کے جدید نصاب کی ترتیب میں حضرت مجاہد ملتؒ کی شرکت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف نے اس کی تالیف میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور عالمانہ طریقے سے حوالہ جات جمع کئے ہیں۔

خاکسار مفتی صاحب کی اس کاوش پر بصد خلوص مبارباد پیش کرتا ہے اور دعا ہے کہ اللہ رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازیں اور اس کو منظر عام پر لانے والوں جزائے خیر مرحمت فرمائیں (آمین)

فقط واللہ الموفق

محمود اسعد مدنی
صدر جمعیۃ علماء ہند
۱۴؍ مارچ ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاثرات

مفتی محمد عفان منصور پوری مدظلہ العالی

صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ
وکنو یز سیمینار مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ حیات وکارنامے

"مجاھد ملت (حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی علیہ الرحمہ) اور ریاست رامپور" نامی یہ وقیع کتابچہ درحقیقت وہ تحقیقی اور بڑی محنت سے لکھا گیا مقالہ ہے، جو جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام منعقدہ مجاہد ملت سیمینار میں پیش کیا گیا تھا، یوں تو حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ کی شخصیت بیک وقت متنوع میدانوں میں متحرک اور سرگرم رہنے کے حوالے سے ممتاز ومتعارف ہے، لیکن محترم جناب مفتی سعید الظفر صاحب قاسمی زید علمہ نے ریاست رام پور اور مدرسہ عالیہ کے نصاب جدید کی تشکیل کے سلسلہ میں حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ کے جس کردار کو نکھار کر پیش کیا ہے، سچائی یہ ہے کہ وہ اب تک بہت سے محققین کی نگاہوں سے بھی اوجھل تھا، مفتی صاحب اس دستاویزی حیثیت رکھنے والے مقالے کو مرتب کرنے کی بناء پر بجا طور پر مستحق مبارکباد ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان کی اس تحریر نے اب تک حضرت مجاہد ملت رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر لکھے گئے مضامین میں ایک معتبر باب اور پہلو کا اضافہ کیا ہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

صاحب تحریر نے موضوع کے مـالـه و ماعلیه کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے؛ چنانچہ اس میں صرف مجاہد ملت رحمہ اللہ کی وہ خدمات ہی مذکور نہیں

ہیں، جو انہوں نے ریاست رامپور کی انفرادی حیثیت اور خصوصیات کو برقرار رکھنے میں انجام دی ہیں؛ بلکہ ریاست رام پور کی تاریخ اور وہاں کے نوابین کا تعارف بھی مستند مآخذ کی روشنی میں خاصی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جو اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔

اسی طرح رام پور کی مشہور علمی درسگاہ و دانش گاہ ''مدرسہ عالیہ'' کے نصاب جدید کی تشکیل کے سلسلہ میں مجاہد ملت رحمہ اللہ کی خدمات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے مقام وعظمت اسکی تاریخ وافادیت پر بھی سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

بہر حال ان چند سطروں سے اس مقالے اور کتابچہ کا بھرپور تعارف ممکن ہی نہیں، علم دوست حضرات اور تحقیقی مزاج رکھنے والے احباب کے لئے اس میں بہت کچھ ہے، جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ہم شکر گذار ہیں مفتی صاحب کے کہ انہوں نے سیمینار میں شرکت کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے مجاہد ملت رحمہ اللہ کی زندگی سے متعلق ایک اہم زاویہ پر قلم اٹھایا اور بڑی محنت وعرق ریزی کے ساتھ مقالہ تیار کیا، جواب کتابی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے۔

باری تعالی صاحب تحریر کو جزائے خیر مرحمت فرمائیں اور مزید علمی و تحقیقی کاموں کے لئے قبول فرمائیں۔ فقط

احقر محمد عفان منصور پوری

خادم تدریس مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

۲۸/ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ

۲۱/ مارچ ۲۰۲۳ء

رائے عالی

مشہور مصنف، نقاد، ادیب، دانشور اور ماہر لسانیات
جناب پروفیسر ڈاکٹر شریف حسین قاسمی
صدر شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی دہلی

جناب مفتی سعید الظفر قاسمی صاحب کی کتاب ''مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور ریاست رام پور'' ایک اہم علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے، ایک سو تیرہ عنوانات کے تحت لکھی جانے والی یہ کتاب دراصل ریاست رام پور کے قیام سے آزاد ہندوستان میں اس کے انضمام اور اس کے فوری بعد تک کے تمام ہی پہلوؤں پر اجمالی روشنی ڈالتی ہے، مفتی صاحب نے دستیاب تمام ہی متعلق مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے حواشی میں ان کا حوالہ دیا ہے، مجھے اس کتاب کے مطالعے کے بعد نہایت خوشی ہوئی کہ ہمارے روایتی مدارس کے ایک فارغ اور فاضل اور پھر استاد کو جدید تحقیق کے اصولوں اور اس کے ماحصل نتائج کو ایک خاص نظم، انضباط اور منطقی طریقہ پر تدوین کے زاویوں سے کماحقہ واقفیت حاصل ہے اور وہ انہیں بروئے کار لانے میں بھی ماہرانہ لیاقت کے حامل ہیں، اور یہ وصف حق کی تلاش اور پھر اس کے بلا تردد اظہار میں مصنف کی افتادِ طبع کا غماز ہے، کتاب کے متن میں وارد بعض اشخاص اور امور کی مزید وضاحت کے لیئے مفتی صاحب کے مناسب اور کارآمد حواشی نے بھی اس کتاب

کو استناد و اعتبار کا درجہ عطا کر دیا ہے، اس طرح رامپور کی سیاسی، علمی اور سماجی تاریخ کے بعض کرداروں کے احوال وکوائف واضح تر ہو گئے ہیں، اس عمل میں بھی مفتی صاحب نے تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، جو ایک قابل ذکر وصف ہے اس کتاب کا۔

آزادی کے بعد رامپور ہی کیا، ہندوستان کی دیگر بڑی چھوٹی ریاستیں آزاد ہندوستان سے انضمام کے معاملے میں جن نازک اور دشوار گذار مراحل سے گزریں، مفتی صاحب نے ان کا مختلف زاویوں سے تحقیقی جائزہ لیا ہے، کتاب کا یہ حصہ تاریخی نوعیت کا حامل ہے۔

مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب کا خود یہ تعارف کرایا ہے جو بے شک حقیقت پر مبنی ہے:

> ''اس تحقیقی مقالہ میں ریاست رامپور کی تاریخ اور انضمام کے وقت خصوصی درجہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی مساعی جمیلہ اور عالمگیر شہرت یافتہ ادارہ ''مدرسہ عالیہ'' کے قدیم نصاب کی تفصیل اور جدید نصاب کی ترتیب میں مجاہد ملتؒ کی شرکت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، معتبر حوالہ جات اور مقالہ کے ضمن میں مذکور شخصیات کے تعارف کی تعداد سو سے زائد حاشیہ میں درج کی گئی ہے، جس سے اعتبار واستناد میں مزید اضافہ ہو گیا ہے''

مفتی صاحب نے کتاب میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

کی ان مساعئ جمیلہ کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے، جن کا مقصد رامپور میں سیاسی اور علمی فضا کو اس راستے پر گامزن کرتا تھا جو رامپور اور آزاد ہندوستان کو ان کی منزل مقصود تک پہنچانے میں مددگار و معاون ہوں، فی الحقیقت ہمارے وطن کی آزادی کے بعد حضرت مجاہد ملت اور ان کی جماعت جمہوری اقدار کی حصولیابی کے لئے صرف علماء اور مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتے تھے؛ بلکہ یہ عام ہندوستان کے دل کی آواز تھی جو حضرت مجاہد ملت کی زبان سے نکلتی تھی، خود میرے والد مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مرحوم کا حضرت مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم سے سفر و حضر میں رات و دن کا ساتھ رہا ہے، میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ خاص طور پر آزادی وطن کے بعد مسلمانوں کو درپیش بے شمار مسائل کو حل کرنے کے لئے حضرت مجاہد ملت ملک و ملت کے لئے ایک عظیم عطیہ خداوندی تھے، جن کی سیاسی اور علمی دور اندیشی اور فراست نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کے تعاون سے نہایت پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔

راقم السطور کی نظر میں یہ ان کا اور ان کے ہم مسلکوں کا اولین فرض بھی تھا ؛اس لئے کہ ان ہی حضرات اور ان کے اکابر و اسلاف نے ملک کی تقسیم کی سخت مخالفت کی تھی اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک باعزت زندگی کی ضمانت دی تھی۔

پیش نظر کتاب میں چند خاص عنوانات پر مفتی صاحب کی تحقیقی تحریریں اہمیت کی حامل ہیں، کرنل بشیر حسین زیدی کی کتاب میں انضمام ریاست کا پس منظر،

سردار پٹیل کی اہل رام پور سے بدگمانی، نواب رام پور اور زیدی صاحب کا انضمام ریاست میں سیاسی مفاد ایسے موضوعات ہیں جو تاریخ کے ایک طالب علم کے لئے چشم کشا ہیں، اسی طرح ریاست رام پور کے انضمام میں مجاہد ملت اور جمعیت علماء ہند کا موقف بھی قابل مطالعہ ہے، ''مولانا آزاد کی مجبوری'' کے عنوان سے مفتی صاحب نے جو حقائق بیان کئے ہیں ان سے نہ صرف رامپور کے انضمام میں تاریخ کے جبر کا علم ہوتا ہے؛ بلکہ یہ صورتحال تقریباً تمام ہی مسلم ریاستوں کو پیش آئی، رامپور کے سلسلے میں حضرت مجاہد ملت اور ان کی جماعت کا یہ کہنا کہ انضمام کی صورت میں ریاست کی خصوصیت اور انفرادیت کو تسلیم کیا جائے؛ لیکن بعض حضرات کا ذاتی مفاد آڑے آیا اور انضمام اس شرط کے بغیر عمل میں آ گیا اور مولانا آزاد جیسے ذی شعور، معاملہ فہم اور صاحب علم کے کان بھی بھر دیئے گئے اور مولانا آزاد پوری طرح حقیقت کو سمجھ نہ سکے اور سردار پٹیل کے سامنے موجودہ شکل میں انضمام ریاست پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

اس ضمن میں راقم مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ'' رامپور کی خصوصیات اور انفرادیت'' کے نظریہ کو قبول کرنا حکومت کے لئے کوئی معمولی بات نہ تھی، اس طرح تو ہر ریاست یہ شرط رکھ سکتی تھی اور اس کے نتیجے میں ریاستوں کا انضمام ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے، یہ شرط ہی ناقابل عمل اور ناقابل قبول تھی، رد کر دی گئی اور ریاست رام پور کے یکم جولائی ۱۹۴۹ء میں مرکز سے الحاق کو تسلیم کر لیا گیا اور یہی ہونا بھی تھا۔

مفتی صاحب نے رام پور میں واقع ''مدرسہ عالیہ'' پر جو تحقیقی مواد پیش کیا

ہے، وہ اس معروف علمی ادارے کی تاریخ اور خاص طور پر اس کے نصاب کی جدید ترتیب وتشکیل پر اہم روشنی ڈالتا ہے، مفتی صاحب خود اسی نوعیت کے اداروں سے وابستہ رہے ہیں اور اب بھی ایک درسگاہ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں؛ اس لئے کتاب کا یہ حصہ خاص اہمیت کا حامل ہے، اب تو یہ ادارہ بس نام کا رہ گیا ہے اور یہ قوم وملت کا ایک بڑا خسارہ ہے۔

ہمارے دینی مدارس آج بھی بعض اہم مشکلات سے دوچار ہیں، ان میں ایک گرما گرم مسئلہ یہی ان مدارس میں نصاب کا رہا ہے، اس کے حل کرنے کے لیئے نہایت دوراندیشی درکار ہے۔

میں مفتی صاحب کو اس کتاب کی تصنیف پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مفتی صاحب آئندہ بھی اسی نوعیت کے عنوانات پر اپنی تحقیقات جاری رکھیں گے اور ہم ان سے استفادہ کریں گے۔

پروفیسر شریف حسین قاسمی
شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی دہلی

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے مختصر حالات زندگی

بطل حریت، مجاہد آزادی، عالم اکمل اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستانی مسلمانوں کی ملی قیادت اور جمعیت علماء ہند کے روشن باب ہیں، موصوف اپنے علمی رسوخ، تحقیقی ذوق، قرآنی بصیرت، فہم حدیث، سنجیدہ تدریس، وسعت نظر اور اصابت رائے جیسے ہر شعبہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کا نام معز الدین، کنیت ابوالقاسم، تاریخی نام حفظ الرحمٰن اور لقب مجاہد ملت ہے، مولانا سیوہاروی کی ولادت ۱۰/ جنوری ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۸ھ کو قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور کے محلّہ مولویان میں ایک زمیندار تعلیم یافتہ صدیقی گھرانہ میں ہوئی، آپ کے والد مولانا شمس الدین صاحب مرحوم متوفی ۱۹۳۱ء اپنے دور کے مشہور ومعروف بزرگ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادابادیؒ سے بیعت تھے اور والدہ ام ہانی حافظ عبدالرحمٰن صاحب مرادآبادیؒ سے بیعت تھیں۔

سیوہارہ میں آپ کے خاندان کی آمد کے بارے میں حبیب الانساب (ص:۹۱) میں یہ تفصیل لکھی گئی ہے کہ ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد سے ایک بزرگ قاضی حسن زنجانیؒ متوفی ۱۵۶۷ء اور سید ابراہیم ترمذیؒ نے مغل بادشاہ محمد ظہیر الدین بابر کے حکم پر اس علاقہ پر فوج کشی کی اور فتح حاصل کی جہاں آج معروف قصبہ سیوہارہ آباد ہے، بابر نے خوش ہوکر یہ پورا علاقہ

قاضی صاحب کی جاگیر میں عطا کر دیا اور قاضی صاحب نےؒ یہاں سکونت اختیار کر لی اور اپنے بھائی شیخ عفیف الدین ابوالحسن کو بھی یہاں بلا لیا، دونوں خاندان اسی وقت سے یہاں آباد ہیں، قاضی صاحب کی اولاد کو" قاضی خاندان" اور شیخ عفیف الدین کی اولاد کو" مولوی خاندان" سے شہرت حاصل ہوئی، مجاہد ملت شیخ عفیف الدین کی چودھویں پشت میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی، پھر درس نظامی کی زیادہ تر کتابیں مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں حضرت مولانا سید عبدالغفور صاحب سیوہارویؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہیؒ، حضرت مولانا آفتاب علی صاحبؒ شاگرد رشید حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا الحاج حافظ احمد حسن چشتیؒ وغیرہم اساتذہ باکمال سے پڑھیں۔

١٣٣٣ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہو کر شرح جامی، شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ پڑھیں، یہاں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ سے بھی استفادہ کیا۔

١٣٤١ھ میں مدرسہ فیض عام سیوہارہ سے فراغت حاصل کی، اور پھر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور ١٣٤٢ھ مطابق ١٩٢٤ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مجاہد ملت نے بحیثیت معین مدرس دارالعلوم دیوبند میں اپنا تدریسی سفر شروع کیا، پھر آپ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے حکم پر صوبہ تمل ناڈ کی مشہور بستی پیارم پیٹ تشریف لے گئے اور وہاں تقریبا پونے دو برس تک حنفیت پر ہونے والے حملوں کا انتہائی بے باک انداز میں مقابلہ کیا، پھر ١٣٤٤ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مستقل مدرس ہو گئے اور چند ماہ بعد ہی اپنے اساتذہ کے

ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں تین سال قیام کیا، جامع مسجد امروہہ میں بھی تین سال تدریس فرمائی اور جامع مسجد امروہہ اور دارالعلوم چلہ امروہہ کے مشترکہ مہتمم کی ذمہ داری بھی نبھائی، مولانا آزاد کی دعوت پر کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال تک درس قرآن اور تبلیغ دین کا سلسلہ جاری کیا۔

مولانا سیوہاروی ہندوستان کی آزادی کے سرگرم، متحرک اور انتہائی فعال مجاہد تھے، آپ نے ابتدائی جوانی سے تحریک آزادی کی ہر سرگرمی میں حصہ لیا، ۱۹۲۹ء میں گاندھی جی کی مشہور تحریک ''ڈانڈی مارچ تحریک'' اور ''نمک سازی تحریک'' میں قائدانہ رول ادا کیا اور متعدد مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

مجاہد ملت جمعیت علماء ہند کے ترجمان اور اہل حق کی زبان مانے جاتے تھے، جمعیت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے آپ نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں بالآخر ۱۹۴۲ء کے ایک اجلاس عام میں ناظم عمومی بنایا گیا اور مجاہد ملت کے لقب سے نوازا گیا آپ نے بیس سالہ دور نظامت میں بے مثال کارہائے نمایاں انجام دیئے، تقسیم ہند کی ایسی پرزور مخالفت کی کہ اپنے لوگ بھی آپ کے سامنے نگاہیں نیچی کرنے پر مجبور ہوگئے۔

مجاہد ملت کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، مسلمانوں کے لئے جو تکالیف برداشت کی وہ تاریخ عزیمت کا اہم باب ہے، آپ نے تقریباً بارہ کتابیں تصنیف فرمائیں جو معروف و مقبول ہیں، یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۲ء کو ملت اسلامیہ کا یہ عظیم سپاہی اس دار فانی سے رخصت ہوگیا اور تدفین مہندیان میں عمل میں آئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

باب اول

ریاست رامپور

ریاست رام پور کے قیام سے پہلے یہ روایت مشہور ہے کہ اس جگہ چار گاؤں کا ایک قطعہ تھا، کھٹیر (۱) کے راجہ رام سنگھ کے نام پر اس کا نام ''رمپورہ'' تھا، ٹھوٹھر اور راجدوارہ برادری کے لوگ ابراہیم لودھی (۲) کے زمانے سے ہی یہاں آباد تھے، جن کا مسکن گھیر ملکیان ہے، جو جامع مسجد رام پور سے غروب وشمال میں واقع ہے۔

نواب فیض اللہ خان نے ۱۷۷۵ء میں ریاست رام پور کی بنیاد رکھی اور وہی اس کے پہلے نواب ہوئے، اس ریاست کے قیام کا پس منظر یہ ہے کہ یہاں سے پہلے ضلع رامپور ہی کا ایک معروف قصبہ شاہ آباد نواب فیض اللہ خاں کا دار الریاست تھا؛ لیکن فوجی نقطہ نظر سے وہ علاقہ محفوظ نہیں تھا؛ چنانچہ نواب صاحب نے رہائش اور پایہ تخت کی جگہ کے انتخاب کا کام اپنے بھتیجے مصطفیٰ خاں کے سپرد کیا اور ان کی سفارش پر اس جگہ شہر رامپور بسا کر دار الریاست بنایا گیا۔

---

(۱) کٹھیر: شاہجہان نے بدایوں اور سنبھل کو ملا کر ایک سرکار بنا دیا اور اس کا نام کٹھیر رکھا اور بریلی کو اس کا صدر مقام بنایا۔ مغلوں کے زوال کے بعد اس پر روہیلوں کا قبضہ ہوا۔ ۱۷۷۸ء میں بدایوں اودھ کے نوابوں نے فتح کیا۔

(۲) ابراہیم لودھی: خاندان لودھی کے آخری بادشاہ سکندر لودھی کا بڑا بیٹا ہے، پندرہویں صدی میں پیدا ہوا، باپ کے بعد بادشاہ بنا، پانی پت کی پہلی لڑائی میں ابراہیم لودھی مارا گیا اور یوں ۱۵۲۶ء میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا آغاز ہوا۔

رام پور کے نوابین پر سرسری نظر

رامپور کے پہلے والی نواب فیض اللہ خاں کی ولادت ۱۷۳۳ء میں آنولے ضلع بریلی میں ہوئی، والد کا نام علی محمد خاں (۱) ہے، مذہباً اہلسنت والجماعت سے تھے، انہوں نے اپنے حسن انتظام اور روہیلوں کی دلجوئی سے ریاست کو دارالامن بنایا، قرب و جوار سے تعلق رکھنے والے دوسرے مذاہب اور اقوام کے لوگ یہاں آباد ہو گئے، نواب صاحب کی قدردانی کی وجہ سے علماء، فضلاء، مشائخ اور صوفیاء کی بڑی

---

(۱) علی محمد خاں داؤدخاں کے متبنی بیٹے تھے، واقعہ یہ ہے کہ حافظ رحمت خاں کے والد شاہ عالم خاں کا غلام داود خاں نے کھٹیر کے علاقے میں گھوڑوں کی تجارت سے اپنے قدم جمائے اور آہستہ آہستہ افغانوں کی بڑی جماعت جمع کرلی، یہ داؤدخاں سرکار بدایوں کے پرگنہ مدھکر (موجودہ موضع مدھکر تحصیل شاہ آباد ضلع رامپور) کے زمیندار کا ملازم ہو گیا تھا، وہاں داؤدخاں کا مقابلہ ایک سرکش زمیندار راجہ کھیم کرن سے ہوا، اس لڑائی میں اس نے موضع باکولی تحصیل بسولی ضلع بدایوں کو لوٹا، اتفاق سے ۷-۸ سال کا ایک خوبصورت لڑکا داؤدخاں کو مل گیا، داؤد نے اس بچے کو اپنی فرزندگی میں لے لیا اور اس کی بہترین تربیت اور پرورش کی، داؤد کے قتل کے بعد روہیلہ سرداروں نے اس متبنی بیٹے علی محمد کو اپنا سردار منتخب کرلیا اور یہی روہیل کھنڈ کے بانی اور ریاست رام پور کے مورث اعلی ہیں، علی محمد خاں کے نسب اور عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔

علی محمد خاں کا انتقال ۱۴/ستمبر ۱۷۴۹ء مطابق ۱۱۶۲ھ میں ہوا، خوش حال خاں خٹک کے پرپوتے خان زادے کاظم خاں شیدؔا نے ان کے انتقال کی تاریخ "ہے ہے افغان" سے نکالی ہے، جس سے ۱۱۶۲ھ برآمد ہوتی ہے، وفات کے وقت عمر ۴۴/ سال تھی، آنولے میں مقبرہ ہے۔

روہیل کھنڈ ریاست کے بانی علی محمد خاں کے انتقال کے بعد ان کے بیٹوں میں باہمی اختلاف کی وجہ سے ریاست تقسیم ہوئی، تو رامپور نواب فیض اللہ خاں کے حصہ میں آیا، ان کے ساتھ ان کے بھائی اللہ یار خاں بھی آ گئے، مصطفیٰ خاں انہی کے بیٹے ہیں، رامپور شہر کے لئے موجودہ جگہ کا انتخاب اور اس کو دارالریاست انہی کی سفارش پر بنایا گیا، اس لئے شروع میں ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس شہر کو مصطفیٰ آباد عرف رامپور کہا گیا، بقیہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

تعداد جمع ہوگئی اور بہت سے حضرات نے رامپور کو اپنا مسکن بنایا، ۱۷/ جولائی ۱۷۹۴ء میں وفات ہوئی، ۶۳/ سال سات ماہ پانچ دن عمر پائی، لفظ "غروب" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے، وفات کے بعد "عرش منزل" لقب ملا، رامپور میں طوطی والے مقبرے میں مدفون ہیں۔

نواب محمد علی خاں

ریاست رام پور کے دوسرے نواب محمد علی خاں فیض اللہ خاں کے فرزند اکبر تھے، ۱۱۶۶ء میں پیدا ہوئے، ۱۷/ ذالحجہ ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۶/ جولائی ۱۷۹۴ء کو ۴۳/ سال کی عمر میں مسند نشیں ہوئے، ان کا دور اقتدار صرف ۲۴/ دن رہا، اوپر گزر چکا ہے کہ نواب فیض اللہ خاں اہل سنت والجماعت میں سے تھے اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی یہی چاہتے تھے؛ مگر نواب محمد علی خاں ایک شادی میں شرکت کے لئے ایک ماہ کے لئے لکھنؤ کے نواب آصف الدولہ (۱) کے مہمان ہوئے اور انہی کی صحبت کی وجہ سے شیعہ مسلک اختیار کیا، نجم الغنی خاں لکھتے ہیں:

”فیض اللہ خاں کے مذہب کا حال معلوم ہے کہ وہ

---

(۱) نواب آصف الدولہ کی پیدائش ۱۷۴۸ء کو ہوئی اور وفات ۱۷۹۷ء کو ہوئی، اردو شاعر اور والی اودھ، نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ۱۷۷۵ء میں فیض آباد میں مسند نشین ہوئے، بعد ازاں لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا۔ تعمیرات کا بہت شوق تھا، ان کا تعمیر کردہ لکھنؤ کا شاہی محل اور امام باڑہ مشہور عمارتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شعر و شاعری اور دیگر علوم وفنون کے قدر دان تھے، دہلی کے مشہور شعراء مرزا رفیع سوداؔ، میر تقی میرؔ اور سید محمد میر سوزؔ انہی کے عہد حکومت میں لکھنؤ آئے اور دربار سے وابستہ ہوئے۔ اردو، فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور میر سوزؔ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ لکھنؤ میں انتقال ہوا اور اپنے بنائے ہوئے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ ایک دیوان ان کی یادگار ہے، جن میں غزلیں، رباعیاں، مخمس اور ایک مثنوی ہے۔

سنت و جماعت تھے،نواب سید محمد علی خاں ان کے چہیتے بیٹے
تھے،وہ چاہتے تھے کہ ان کے خیالات بھی باپ کے خیالات
کی نسل کے ہوتے؛مگر لکھنؤ کی آب وہوا سے رنگ بدل گیا اور
مذہب تشیع نواب آصف الدولہ کی تعلیم سے اختیار کیا''(۱)

فوج اور خاندان کے افراد بعض وجوہات کی بناء پر ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی غلام محمد خاں کو والئی ریاست بنانا چاہتے تھے؛ چنانچہ مسند نشینی کے ۱۷/ دن بعد پانچ سو مسلح فوجیوں نے نواب محمد علی خاں کو قید کر لیا اور ۱۰/ اگست ۱۷۹۴ء کو رات کے اندھیرے میں قتل کر کے غلام محمد کو والئی ریاست مقرر کر دیا،مقبرہ واقع مدرسہ کہنہ (جس کو بعد میں مدرسہ عالیہ کہا گیا) میں دفن ہوئے۔

نواب غلام محمد خاں

نواب غلام محمد خاں ریاست کے تیسرے نواب ہوئے،۱۰/ اگست ۱۷۹۴ء کو ۳۳/ سال کی عمر میں تخت نشیں ہوئے اور صرف تین ماہ اور بائیس دن ریاست کی، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا کہ غلام محمد خاں کا ریاست پر غاصبانہ قبضہ تھا، جو انگریزوں اور نواب آصف الدولہ کو منظور نہ ہوا،تو ان دونوں نے غلام محمد خاں کو ریاست سے بے دخل کرنے کے لئے حملے کا منصوبہ بنایا اور ۲۴/ اکتوبر ۱۷۹۴ء کو موضع "بھٹورا" میں جنگ ہوئی، یہ جنگ "جنگ دوجوڑہ" کے نام سے مشہور ہے اور اس میں دونوں طرف سے بڑا جانی نقصان ہوا؛ بالآخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ نواب غلام محمد خاں مع اپنی اولاد رامپور سے چلے جائیں؛ چنانچہ ۲۹/ اکتوبر ۱۷۹۴ء کو یہ معاہدہ عمل میں آیا اور نواب صاحب ٹھاکر دوارہ اور بنارس ہوتے ہوئے حج کے طویل سفر پر مکہ چلے گئے اور واپسی

(۱) اخبار الصنادید ا/۲۰۶

پر ریاست "نادون" متصل کانگڑہ پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے، راجہ سنسار چند (۱) نے بحسن اخلاق اور احترام ان کو رکھا اور ہر ماہ پانچ سو روپے بطور دعوت مصارف کے لئے بھیج دیتے تھے، ۶۳/ سال کی عمر میں ۶/ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸/ فروری ۱۸۳۳ء کو وہیں انتقال ہوا، نادون میں ان کا مزار ہے۔

نواب احمد علی خاں

نواب احمد علی خاں ۹/ سال کی عمر میں ۲۹/ نومبر ۱۷۹۴ء کو تخت نشین ہوئے، نواب احمد علی خاں شکار، نشانہ بازی اور ارباب نشاط کے شوقین تھے، گھیا نام کی ڈومنی (ناچنے گانے والی عورت) ان کے مزاج پر حاوی تھی، بعد کو انہوں نے اس سے شادی کر لی اور "امتیاز محل" نام دیا، شعر وادب کا بھی اچھا ذوق تھا، رند تخلص تھا، حسن و جمال کے بہت دلدادہ تھے، اخبار الصنادید میں ہے:

" نواب احمد علی خاں حسن پرست تھے، کثرت
ازدواج کے خیال سے اگر کہا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ
سلیمان ثانی تھے "(۲)

---

(۱) راجہ سنسار چند: ایک راجپوت حکمران ہے جس کا تعلق " کٹوچ " نامی قبیلے سے ہے، اس قبیلہ نے کانگڑہ پر کافی مدت تک حکومت کی تھی، یہاں تک کہ ۱۷/ ویں صدی کے اوائل میں مغلوں کے ہاتھوں اقتدار سے بے دخل ہوگئے، احمد شاہ ابدالی نے سنسار چند کے دادا گھمن چند کو اس وقت کے جالندھر کا گورنر مقرر کر دیا تھا، اور اسی کا سیاسی فائدہ اٹھاتے ہوئے سنسار چند نے کانگڑہ کے مغل گورنر سیف علی خاں کو معزول کر کے قبضہ کر لیا، سنسار چند نے نادون اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں فلاح و بہبود کے لئے بہت کام کئے، نادون ہندوستان کی موجودہ ریاست ہماچل پردیس کے ضلع حمیر پور کا ایک قصبہ ہے، اس سے قبل یہ کانگڑہ ریاست کا حصہ تھا۔

(۲) اخبار الصنادید ا/ ۲۸۷

مولوی غیاث الدین خاں (۱) نے "غیاث اللغات" انہی کے عہد میں تالیف کی اور بے نظیر اور بدر منیر کی عمارات بھی انہی کے دور میں تعمیر ہوئیں۔ ۲۶/ جولائی ۱۸۴۰ء کو ۵۵/ سال کی عمر میں نواب احمد علی خاں کا انتقال ہوا، انہوں نے ۴۷/ سال حکومت کی، شہر سے دو میل کے فاصلے پر موضع ''نانکار'' میں ان کا مقبرہ ہے "غروب کوکب" ان کے انتقال کی تاریخ ہے۔

نواب سعید احمد خاں

نواب سعید احمد خاں ریاست رام پور کے پانچویں والی ہوئے، ۱۹/ مئی ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے، ریاست کے تیسرے والی غلام محمد خاں آپ کے والد ہیں، چوتھے والی نواب احمد علی خاں کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ۲۰/ اگست ۱۸۴۰ء میں نواب سعید احمد خاں سریر آرائے ریاست ہوئے، انہوں نے ترقی کے لئے اصلاحات نافذ کیں، ریاست کی آمدنی میں اضافہ کیا، باقاعدہ فوج کی تنظیم کی، ان کے دور میں ریاست کا رقبہ ۲۰ ۷/ مربع میل اور آبادی تین لاکھ بیس ہزار ہوگئی تھی، انہوں نے ۱۵/ سال اکیس دن ریاست کی، موتی مسجد رامپور انہی کے عہد میں تعمیر

(۱) ملا غیاث الدینؒ: شیخ قوم میں رام پور میں پیدا ہوئے، والد کا نام شرف الدین ہے، مولوی غلام جیلانی رفعتؒ سے کتب درسیہ پڑھیں، مولوی نور النبی نبیرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے علم طب حاصل کیا، عنبر شاہ عنبرؔ اور کبیر خاں تسلیمؔ سے شعر و ادب میں تلمذ تھا، عزتؔ تخلص فرماتے تھے، تصنیف و تالیف کا فطری ذوق تھا، مولانا جمال الدین رامپوری سے بیعت تھے، خلاصۃ الانشاء، رسالہ عروض وقافیہ، افسانہ باغ و بہار، شرح مثنوی غنیمت، شرح سکندر نامہ، شرح گل گشتی، مجربات غیاثی، جواہر التحقیق، ازالۂ اغلاط الفاظ عربی وفارسی اور خواص الادویہ وغیرہ ان کی مطبوعہ یادگار ہیں؛ البتہ غیاث اللغات ان کا سب سے بڑا اور مقبول علمی کارنامہ ہے، جو دس سال کی محنت سے تالیف کی، ۶۸/ سال کی عمر میں ۲۲/ ذالحجہ ۱۲۶۸ھ میں انتقال فرمایا، شہر رامپور کی ایک مسجد میں مدفون ہوئے۔

ہوئی، وہ بھی نوابین اودھ کے اثر سے شیعہ ہو گئے تھے، ۷۱/ سال کی عمر میں یکم اپریل ۱۸۵۵ء میں وفات پائی، اپنے تعمیر کردہ امام باڑے میں دفن ہوئے، جو رضا لائبریری کے شمالی گوشہ میں ہے، بعد وفات ''جنت آرام گاہ'' لقب ہوا۔

نواب یوسف علی خاں

نواب یوسف علی خاں یکم اپریل ۱۸۵۵ء کو چالیس سال کی عمر میں ریاست رام پور کے چھٹے والی ہوئے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے انگریزوں کے تحفظ کے لئے بڑی کوششیں کیں، رامپور کا جائے وقوع دہلی اور لکھنؤ کے درمیان ہونے کی وجہ سے اس کو ملکی معاملات میں خاص اہمیت حاصل تھی اور وہ رابطہ اور خبر رسانی کے لئے اہم تھا، جس کا انگریزوں نے بہت فائدہ اٹھایا، ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے دربار فتح گڑھ منعقدہ ۱۵/ نومبر ۱۸۵۹ء میں نواب رام پور کی خدمات کا اعتراف کیا، ۱۸۶۱ء میں نواب یوسف علی خاں کو "فرزند دلپذیر" کے خطاب کے ساتھ ۲۰ ہزار روپے کا خلعت فاخرہ، ۱۴۹ موضعات جمعی اور ایک لاکھ اٹھائیس ہزار پانچ سو ستائیس روپے چار آنے عطا ہوئے (۱)

نواب یوسف علی خاں بلند پایہ شاعر تھے، ناظمؔ تخلص تھا، ان کے دربار سے مولانا فضل حق خیرآبادی (۲) جیسے جید عالم اور میر حسن تسکینؔ (۳)، اسیرؔ (۴)، جلالؔ (۵) اور امیرؔ مینائی (۶) جیسے باکمال شعراء وابستہ تھے، امامیہ مذہب کے پیرو تھے،

---

(۱) ایڈمنسٹریشن رپورٹ رامپور اسٹیٹ ۱۹۴۳ء ص: ۴۴

(۲) مجاہد اعظم جنگ آزادی ہند علامہ فضل حق شہید بن مولانا فضل امام خیرآبادی مسلم رہنمائے جنگ آزادی اور علمائے اہل سنت میں سے تھے، ان کی ولادت ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء کو خیرآباد ضلع سیتاپور میں ہوئی۔ وہ فلسفی، شاعر، مصنف اور مذہبی عالم تھے، انہوں نے اپنے پیچھے متعدد علمی یادگار چھوڑی ہیں؛ لیکن ان کے شہرت کی بنیادی وجہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں انگریز قبضہ آوروں کے خلاف جہاد کا فتوی بنا، جس کی پاداش میں ''حبس دوام بعبور دریائے شور'' =

دس سال چار ماہ گیارہ دن حکومت کرنے کے بعد پچاس سال سے زیادہ عمر میں ۲۱ر اپریل ۱۸۶۵ء کو انتقال ہوا، رضا لائبریری کے نزدیک امام باڑے کے بیرونی دالان میں اپنے والد کے پاس دفن ہوئے، بعد وفات "فردوس مکاں" لقب ملا۔

= کی سزا ملی، قید کر کے انڈمان بھیجے گئے، جہاں ایک سال دس ماہ تیرہ دن اسیری میں رہ کر ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہاں فانی سے رخصت ہوئے۔

(۳) امیر حسن تسکینؔ: والد کا نام میر حسن عرف میرن صاحب تھا، دہلی میں ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوئے، شاعری کا شوق ابتداء ہی سے تھا، پہلے شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے، بعد کو مومنؔ سے اصلاح لینے لگے، اور ان کے محبوب شاگرد ہو گئے، نواب محمد سعید خاں کے زمانے میں رامپور آئے اور آخر دم تک وہیں رہے، ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو رامپور میں انتقال ہوا۔

(۴) اسیر: سید مظفر علی نام ہے اور اسیرؔ تخلص ہے، ۱۸۰۰ء میں امیٹھی یو پی میں پیدا ہوئے، علماء فرنگی محل سے علم حاصل کیا، واجد علی شاہ کے دور حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز رہے، سلطنت اودھ کے زوال کے بعد نواب یوسف علی خاں کے دور میں رامپور آئے، ۶ر فروری ۱۸۸۲ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا، امیرؔ مینائی، ریاضؔ خیر آبادی اور شوقؔ قدوائی ان کے مشہور تلامذہ میں ہیں، چھ دیوان اردو کے چھوڑے ایک فارسی دیوان اور ایک مثنوی ان کی یادگار ہے۔

(۵) جلال: حکیم سید ضامن علی نام اور جلالؔ تخلص ہے، ۱۸۳۰ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، شعر و سخن کا کم عمری سے شوق تھا، امیر علی ہلالؔ، میر علی اوسط رشکؔ اور مرزا محمد رضا برقؔ سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد رامپور چلے گئے، جلال کو اپنے فن، زبان اور تحقیق پر بڑا ناز تھا، چار دیوان کے علاوہ فن عروض، قواعد اور تذکیر و تانیث پر کتابیں یادگار ہیں، ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۹ء کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

(۶) امیرؔ مینائی: نام امیر احمد تخلص امیرؔ تھا، یکم فروری ۱۸۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دبستان لکھنؤ کی خارجیت اور دبستان دہلی کی داخلیت کا حسین امتزاج پیش کرنے والے امیر مینائی قادر الکلام اور استاد شاعر تھے، امیر مینائی اپنے دادا مصحفیؔ اور اسیرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے، یکم اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدر آباد میں وفات ہوئی، امیر مینائی نے غیرت بہار، مراۃ الغیب، گوہر انتخاب، صنم خانہ عشق اور متعدد دیوان چھوڑے۔

نواب کلب علی خاں

ریاست رام پور کے ساتویں نواب کلب علی خاں کی مسند نشینی ۲۱/ اپریل ۱۸۶۵ء کو ہوئی ان میں زبردست قوت، زود فہمی اور خدا ترسی تھی، حکمرانی کے جوہر بدرجہ اتم موجود تھے، اہل سنت والجماعت میں سے تھے، انہوں نے اپنے عہد میں شراب کی کشید اور شراب کی دکانیں بند کرادی تھیں (۱) نواب کلب علی خاں کو ایک پتھر کی سل جس پر قدم کا نشان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی طرف منسوب ہے، کہیں سے ملا تو اس کو مذہبی عقیدت کے طور پر بے نظیر باغ کے قریب ایک خوشنما عمارت میں اقامت پذیر کیا، ۱۸۷۲ء میں وہ پانچ سو افراد کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت اور حج کے لئے گئے تو انہوں نے مکہ میں ''نہر زبیدہ'' کی مرمت کے لئے دو لاکھ روپیہ عطیہ دیا، اور گنبد خضراء کے لئے ایک سونے کی سیڑھی بنوائی، دہلی کی جامع مسجد کی مرمت کے لیے ڈیڑھ لاکھ روپے کی مالی امداد دی، ۱۸۷۷ء میں روم اور روس کے درمیان جنگ ہوئی تو نواب کلب علی خاں نے روم کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ریاست کے خزانے سے اور تیس ہزار روپیہ عوامی چندے سے بھجوایا، ترکی کے سلطان عبدالحمید خاں (۲) نے اپنا سفیر بھیج کر انہیں ''مجید میڈل'' مرحمت فرمایا (۳)

نواب کلب علی خاں کسی بیماری کی وجہ سے ۱۵ سال معذور رہے، وہ عربی فارسی

---

(۱) چیفس آف رامپور ۴۸

(۲) عبدالحمید ثانیؒ: ۳۱/ اگست ۱۸۷۶ء سے ۲۷/ اپریل ۱۹۰۹ء تک خلافت عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھالنے والے سلطان تھے۔ وہ سلطنت عثمانیہ کے ۳۴ ویں فرماں روا تھے، وہ ۲۱ یا ۲۲/ ستمبر ۱۸۴۲ء کو استنبول میں پیدا ہوئے، ۷۵/ سال کی عمر میں ۱۰/ فروری ۱۹۱۸ء کو فوت ہوئے۔ عبدالحمید ثانی شاعر بھی تھے۔

(۳) اخبار الصنادید ۲/ ۱۶۴

اور اردو کے ادیب وشاعر تھے، نوابؔ ان کا تخلص تھا، انہوں نے ایک فارسی دیوان ’’تاج فرخی‘‘ اور چار اردو دیوان چھوڑے، فارسی دیوان اصلاح کے لئے لسان الملک محمد تقی خاں سپہر کے پاس ایران بھیجا، ریاست کے کتب خانہ کو نادر و نایاب کتابوں، مخطوطات اور مسودوں سے مالا مال کرنے کا اہم کام نواب کلب علی خاں کے ہی دور میں ہوا، ان کے دربار سے ہر فن کے اہل کمال، علماء، شعراء، حفاظ، قراء، اور خوش نویس وغیرہ وابستہ تھے، انہوں نے رامپور کی موجودہ جامع مسجد تعمیر کرائی اور ۴/ اکتوبر ۱۸۷۴ء میں علماء اور اولیاء کے ہاتھوں سے اس کی پہلی اینٹ رکھوائی، اس سے قبل شاہ آباد دروازے کے نزدیک عیدگاہ تعمیر کرائی، بائیس سال سات ماہ کی حکمرانی کے بعد ۵۳/ سال کی عمر میں ۲۳/ مارچ ۱۸۸۷ء کو وفات پائی، شاہ حافظ جمال اللہ کے مزار میں مغربی جانب پہلے سے اپنی قبر کندہ کرا رکھی تھی، اسی میں دفن ہوئے، قرآن خوانی پر ایک سو حفاظ مامور ہوئے، وفات کے بعد ’’خلد آشیاں‘‘ لقب ہوا۔

نواب مشتاق علی خاں

ریاست رام پور کے آٹھویں والی نواب مشتاق علی خاں کی ۲۳/ مارچ ۱۸۸۷ء کو مسند نشینی ہوئی، نواب مشتاق علی خاں فالج کے حملے کی وجہ سے کافی کمزور ہوگئے تھے اور اس کی وجہ سے ان کی صورت حال خراب رہنے لگی تھی انہوں نے جنرل عظیم الدین خاں کو اپنا دارالمہام اور وزیر اعظم نامزد کر دیا تھا، جنرل عظیم الدین خاں (۱) نے انگریزی طرز پر جدید اصلاحات نافذ کیں، جو خزانہ بیکار پڑا تھا اس کو

(۱) جنرل عظیم الدین خاں نجیب آباد کے نواب جلال الدین خاں کے بیٹے تھے اور اپنی والدہ کی نسبت سے رامپور سے رشتہ رکھتے تھے، وہ تعلیم یافتہ، روشن دماغ اور باصلاحیت شخص تھے ۱۳/ اپریل ۱۸۹۱ء کو قتل کر دئے گئے۔

اضافی آمدنی کے لئے استعمال کیا، انگریزی طرز کی عمارتوں کا رواج نواب مشتاق علی خاں کے ہی دور سے شروع ہوا، نواب صاحب پر فالج کا دوسرا حملہ ہوا اور ۳۲ رسال کی عمر میں ۲۵ رفروری ۱۸۸۹ء کو دنیا سے رخصت ہوئے، مزار حافظ شاہ جمال اللہ صاحب میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے، انتقال کے بعد ''عرش آشیاں'' کا لقب ملا۔

نواب حامد علی خاں

نواب حامد علی خاں ۱۳ راگست ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے اور تیرہ سال کی عمر میں ۲۷ رفروری ۱۸۸۹ء کو ریاست رام پور کے نویں نواب بنے، نواب حامد علی خاں ذی شعور، معاملہ فہم اور ڈپلومیٹ حکمراں تھے، انہیں شاندار عمارتوں کی تعمیر کا شوق تھا، حامد منزل موجودہ رضا لائبریری، حامد گیٹ، کوٹھی شاہ آباد، امام باڑہ، قلعہ معلی، رنگ محل، موجودہ جامع مسجد اور مچھلی بھون کی توسیع وتعمیر انہیں کے زمانہ میں ہوئی، فن تعمیر کے اعتبار سے وہ شاہ جہاں ثانی کا درجہ رکھتے ہیں، ابتدا میں شاعری کا شوق تھا، رشکؔ تخلص اختیار کرتے تھے، بعد میں یہ شوق ختم ہوگیا اور حرم سرا کی رنگینیوں میں ڈوب گئے، ۴۱ رسال چار ماہ چار دن انتہائی دبدبہ سے حکومت کی، ۲۰ رجون ۱۹۳۰ء کو ۵۵ رسال کی عمر میں وفات پائی، نجف اشرف عراق میں دفن ہوئے اور وفات کے بعد ''جنت مکاں'' لقب ملا۔

نواب رضا علی خاں

نواب رضا علی خاں ریاست رام پور کے دسویں اور آخری نواب اور روہیل کھنڈ کے بارہویں روہیلہ سردار تھے، ۱۷ رنومبر ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئے اور ۲۰ رجون ۱۹۳۰ء کو ۲۴ رسال کی عمر میں مسند نشیں ہوئے، نواب حامد علی خاں نے ان کی تعلیم وتربیت کا

بہترین انتظام کیا، ہندوستانی اور یورپین تجربہ کار اتالیق مقرر کئے، انہوں نے فن سپاہ گری، شہسواری، تیراکی، نیزے بازی اور شمشیر زنی میں مہارت حاصل کی، حقیقت یہ ہے کہ نواب فیض اللہ خاں نے رام پور شہر بسایا؛ لیکن نواب رضا علی خاں نے اس کو ایک مہذب، تعلیمی اور صنعتی اعتبار سے ترقی پذیر معاشرہ بنایا، نواب رضا علی خاں روہیلہ اقتدار کی آخری یادگار تھے، یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو ریاست رام پور ہندوستانی حکومت میں ضم ہوگئی، ۶ / مارچ ۱۹۶۶ء کو ساٹھ سال کی عمر میں نواب رضا علی خاں کا انتقال ہوا، نجف اشرف عراق میں دفن ہوئے۔

نواب رضا علی خاں کا دور ترقی

ریاست رامپور کی تاریخ کا سب سے اہم دور نواب رضا علی خاں کا دور حکومت ہے، نواب رضا علی خاں ۲۰ / جون ۱۹۳۰ء کو تخت نشین ہوئے اور ۳۰ / جون ۱۹۴۹ء کو رات ۱۲ بجے ریاست ختم ہوکر ہندوستانی حکومت میں شامل ہوگئی (۱) ریاست کا یہ ۱۹ / سالہ دور سماجی طور پر تہذیب وتمدن کے ارتقاء کا، تعلیمی اور صنعتی طور پر ترقی وفروغ کا اور سیاسی طور پر عوامی بیداری اور تحریکوں کا دور ہے (۲)

اسی دور میں اعلی تعلیم کے لیے ڈگری کالج اور لڑکیوں کے لئے مستقل ادارے قائم ہوئے، ریاست کی خوش حالی اور ترقی کے لئے صنعتکاروں کو بہت ہی کم قیمت میں زمین اور دیگر مراعات دے کر کارخانے لگوائے گئے، صنعت وحرفت کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد رامپور ایک اہم صنعتی مرکز بن گیا اور کانپور کے بعد دوسرے نمبر پر رامپور کا شمار ہونے لگا۔

---

(۱) مکتوب توضیح ۱۶۲ معاہدہ انضمام ریاست رام پور

(۲) تاریخ رامپور ۱۰

ریاست رامپور میں جمہوریت کے آثار

نواب رضا علی خاں کے دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس دور میں شخصی حکمرانی کی وہ صورتحال باقی نہیں رہی تھی جو ان سے پہلے والیان ریاست کے تذکرہ میں ملتی ہے، اب دور بدل چکا تھا، اس شخصی حکمرانی کے ساتھ ساتھ جمہوری بیداری اور اپنے حقوق کے حصول اور اپنی بات دربار ریاست تک پہنچانے کے لئے عوامی تحریکوں کا بھی ذکر ملتا ہے، شوکت علی خاں لکھتے ہیں:

> ''اس دور میں شخصی حکمرانی اور مطلق العنانی کے جلال اور طمطراق کے شانہ بشانہ جمہوری بیداری اور عوامی تحریک بھی نظر آتی ہیں، تحریک انجمن مہاجرین ۱۹۳۰ء، تحریک بھوکا پارٹی ۱۹۳۴ء، تحریک ذمہ دار آئینی حکومت ۱۹۳۷ء، تحریک نیشنل لیگ ۱۹۳۸ء، تحریک سب انسپکٹر جھرمل سنگھ ۱۹۳۹ء، تحریک انجمن تعمیر وطن ۱۹۴۵ء، کسان تحریک ۱۹۴۶ء، اور تحریک ۱۹۴۷ء اس دور کی اہم سیاسی تحریکات ہیں، ان تحریکوں سے رام پور کے صدہا خاندانوں اور ہزاروں افراد کے ایثار وقربانی کی تاریخ وابستہ ہے''(۱)

نواب رضا علی خاں کے عہد میں اس جمہوری تبدیلی کا مقصد اور پس منظر کیا تھا؟ اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات تو نہیں کہی جا سکتی؛ لیکن حقیقت ہے کہ انہوں نے اس تبدیلی کے سلسلہ میں عملی اقدامات کئے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ریاست رامپور کے آخری دور کی اس مختصر تفصیل بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ جمہوریت کے آثار

(۱) مقدمہ تاریخ رام پور ۱۰۱

مجاہد ملت کی کوششوں سے وجود میں آئے تھے، اور انضمام کے وقت میں تمام تر جد وجہد انہی کی حفاظت کے لئے تھی، نواب رضا علی خاں برٹش گورنمنٹ اور سیکولرزم کے نام پر دنیا میں موجود ممالک کو اپنے لئے قابل تقلید نمونہ سمجھتے تھے، رامپور ہائی کورٹ کے افتتاح کے موقع پر رضا علی خاں نے اس کا اعتراف کیا ہے، بہرحال اس تبدیلی کی پہلی کڑی کے طور پر انہوں نے اپنی ریاست میں باضابطہ چیف منسٹر یعنی وزیر اعلیٰ کا منصب جاری کیا اور اس پر اپنے وقت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ، ذہین اور دور اندیش افراد کا یکے بعد دیگرے تقرر ہوتا رہا، یہاں ان کی مختصر تفصیل درج کی جاتی ہے۔

ریاست رام پور کے وزرائے اعلی

سر عبدالصمد خاں ریاست کے پہلے چیف منسٹر یعنی وزیر اعلی ہوئے، آپ صاحبزادہ عبدالسلام خاں نجیب آباد کے فرزند اکبر تھے، ۲۷ر ستمبر ۱۸۷۴ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے، جنرل عظیم الدین خاں کی بڑی بیٹی آپ کی شریک حیات تھیں، نواب رضا علی خاں آپ کے داماد تھے، نواب حامد علی خاں کے انتقال کے بعد ۲۰ر جون ۱۹۳۰ء کو نواب رضا علی خاں مسند نشیں ہوئے تو آپ کو ریاست کا پہلا چیف منسٹر بنایا گیا، ۳۲-۱۹۳۱ء کو لندن کانفرنس میں شریک ہوئے، ۱۹۳۳ء کو جنیوا اجلاس میں ریاست رام پور کی نمائندگی کی، ۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر پینشن لے لی، سر عبدالصمد غیر معمولی چیف منسٹر تھے، ان کی خوش اسلوبی، دیانتداری رعایا میں مقبولیت کی خاص وجہ تھیں، وہ ایک باوقار اور قابل احترام شخصیت کے مالک تھے، پاکستان کے سابق وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں اور صاحبزادہ یوسف علی خان انہیں کے چشم و چراغ ہیں، ۲۷ر جنوری ۱۹۴۳ء کو رامپور میں انتقال ہوا اور مزار سدّن شہید میں دفن ہوئے۔

خان بہادر مسعود الحسن

خان بہادر مسعود الحسن ریاست رام پور کے دوسرے وزیر اعلیٰ ہوئے، آپ قصبہ بچھراؤں ضلع مرادآباد کے زمیندار مولوی احمد حسن کے گھر ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے، لندن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرادآباد میں وکالت شروع کر دی تھی، سر عبدالصمد کے سبکدوش ہونے پر ۴؍دسمبر ۱۹۳۴ء کو آپ چیف منسٹر بنائے گئے، ایک ہزار پانچ سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی، مسعود الحسن ایک ماہر قانون، اصول پسند، مستقل مزاج اور خوش اطوار شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے ریاست کی فلاح و بہبود کے لئے اہم اقدامات کئے، یکم دسمبر ۱۹۳۶ء کو اپنے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو دہرہ دون میں انتقال ہوا اور مسجد گل شہید مرادآباد میں دفن ہوئے۔

کرنل بشیر حسین زیدی

کرنل بشیر حسین زیدی ریاست رام پور کے تیسرے اور آخری چیف منسٹر ہوئے، آپ کا آبائی وطن ککرولی ضلع مظفر نگر تھا، آپ سادات بارہہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والد کا نام شوکت حسین تھا، ۳۰؍جولائی ۱۸۹۸ء کو پیدائش ہوئی، کیمبرج یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۳ء میں علی گڑھ یونیورسٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے، ۱۰؍جولائی ۱۹۳۰ء کو نواب رضا علی خاں نے رامپور کے ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا، خان بہادر مسعود الحسن کے سبکدوش ہونے پر کرنل بشیر زیدی یکم دسمبر ۱۹۳۶ء سے باضابطہ وزیر اعلیٰ بنادئے گئے، دوسری جنگ عظیم کے موقع پر ریاست رام پور کی فوج میں اعزازی رکن بنائے گئے، تب سے کرنل ان کے نام کا جزو بن گیا، یکم اپریل ۱۹۴۷ء میں ریاست بنارس اور ریاست رامپور کی جانب سے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن بنائے گئے۔

رامپور کی صنعتی اور تعلیمی ترقی میں زیدی صاحب نے خاص کردار ادا کیا، آزادی کے بعد ریزروبینک آف انڈیا کے مرکزی بورڈ آف ڈائریکٹر کے رکن اور ممبئی کی مشہور دوا ساز کمپنی ''سپلا'' کے بورڈ کے صدر رہے، ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۲ء علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے، ہردوئی سے لوک سبھا کے ممبر چنے گئے اور دومرتبہ راجیہ سبھا کے رکن بھی رہے، ۲۹/مارچ ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوا، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

جدید ریاست رامپور کے خدوخال

ہم تحریر کر چکے ہیں کہ نواب رضا علی خاں کا دورہ محض ایک شخصی حکمرانی کا دور نہیں تھا؛ بلکہ شخصی حکمرانی کے ساتھ ساتھ جمہوری بیداری کا بھی دور تھا، نواب رضا علی خاں نے مسند نشیں ہوتے ہی بہت جلد اور بہت تیزی سے ایسے اقدامات کئے جس سے ریاست رام پور کو ترقی یافتہ اور جدید ریاست بنانے کے ساتھ ساتھ جہاں جمہوری اقدار کی نشوونما بھی ہو سکے، نواب حامد علی خاں کے عہد میں امور حکومت سکریٹریوں کے سپرد تھے، جن کا سربراہ چیف سکریٹری ہوتا تھا، نواب رضا خاں نے سکریٹریٹ کو کابینہ کا درجہ دیا(۱) اور ۹/جولائین ۱۹۳۰ء کو فرمان جاری کیا کہ:

> ''مندرجہ ذیل سیکریٹری آئندہ منسٹر کے نام سے منسوب ہوں گے، (۱) چیف سیکریٹری- چیف منسٹر (۲) رو ینیو سکریٹری- رو ینیو منسٹر (۳) جوڈیشل سکریٹری- جوڈیشل منسٹر (۴) برگیڈ کمانڈر- آرمی منسٹر (۵) ہوم منسٹر کا عہدہ جدید قائم کیا جاتا ہے اور سکریٹری صنعت وحرفت کا عہدہ تخفیف کیا جاتا ہے'' (۲)

---

(۱) تاریخ رام پور ۱۶۱ (۲) دبدبہ سکندری رضا نمبر ۳۰/نومبر ۱۹۳۱ء

نواب رضا علی خاں نے اس حکم کے تحت قدیم اور تجربہ کار وزراء پر مشتمل کابینہ تشکیل دی اور نواب حامد علی خاں مرحوم کے معتمد خاص عبدالصمد خاں جو نواب رضا علی خاں کے خسر بھی تھے، چیف منسٹر نامزد کیا، وزیراعلی کے علاوہ چار مزید وزراء کو کابینہ میں شریک کیا گیا(۱)

رام پور ہائی کورٹ کا قیام

ریاست رامپور کی سب سے بڑی عدالت "اجلاس ہمایوں" تھی، نواب رضا علی خاں اپنی ولی عہدی کے زمانے میں اس کے صدر رہ چکے تھے (۲) نواب رضا علی خاں نے اپنی مسند نشینی کے بعد ۳۱ راگست ۱۹۳۰ء کو ریاست کے قوانین اور نظام عدلیہ کو برٹش انڈیا کے طرز پر بنانے کے لئے رامپور میں ایک ہائی کورٹ قائم کرنے کا فرمان جاری کیا، موجودہ صدر تحصیل کی خوبصورت عمارت میں ضروری ترمیم و اضافہ کر کے اس میں ہائی کورٹ کا قیام عمل میں آیا، ۲ر مارچ ۱۹۳۱ء کو نواب صاحب نے ایک تقریب میں اس کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:

> ''اچھی حکومت اور فعال انتظامیہ کے لئے ایک آزاد عدلیہ بہت ضروری ہے، اس کے بغیر انسانی ترقی کی تمام راہیں مسدود رہتی ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں خواہ وہ سماجی، صنعتی اور معاشی کیوں نہ ہو؟، ارتقاء اور خوشحالی کی امید موہوم ہو جاتی ہیں، اپنی مسند نشینی کے بعد سے ہی مجھے عدلیہ میں بنیادی تبدیلی لانے کا احساس تھا؛ تاکہ ریاست کو ایک منصفانہ اور آزاد نظام عدل حاصل ہو اور قدیم نظام کو تبدیل کر

(۱) تاریخ رام پور ۶۲ (۲) رامپور اسٹیٹ ۲۹

کے برٹش انڈیا کی طرح نیا جوڈیشل سسٹم نافذ کیا جا سکے، رام پور اسٹیٹ کے عوام اور برٹش انڈیا کے عوام کے قریبی معاملات ہیں؛ اس لئے میں نے اپنی حکومت اور رعایا کے لئے ضروری سمجھا کہ قوانین اور عدل کا نیا نظام رائج کر کے اپنے پڑوسیوں سے ان معاشی اور سماجی معاملات کو مستحکم بنایا جائے جو ہماری روزمرہ کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، مجھے عدلیہ کے نظام میں تبدیلی کامل سے دلی مسرت حاصل ہوئی'' (۱)

اس نئے نظام عدلیہ میں مسٹر معظم علی خاں بارایٹ لاء کو ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کیا گیا، جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور گورنمنٹ کالج پٹنہ میں شعبہ سیاست کے پروفیسر اور وائس چانسلر رہ چکے تھے، ساتھ ہی ۱۹۲۷ء میں اندور کے جج کے فرائض ادا کر چکے تھے (۲) مسٹر ارشاد اللہ خاں بارایٹ لاء اور بشیر حسین زیدی بارایٹ لاء کو پیونی جج بنایا گیا، ان کے علاوہ سول جج، ایڈیشنل جج، فوجداری مقدمات کے لئے چیف مجسٹریٹ اور ایڈیشنل مجسٹریٹ بنائے گئے (۳)

اس سے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے، اس مختصر گفتگو سے یہ خاکہ ذہن میں آ گیا ہوگا کہ نواب رضا علی خاں کا دور حکومت محض شخصی حکمرانی کا دور نہیں تھا؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جمہوری نظام بھی شامل ریاست ہو چکا تھا، وقت گزرتا گیا، ۱۹۴۵ء کے

---

(۱) تاریخ رامپور ۶۴

(۲) روداد ہائی کورٹ ۱۴

(۳) دبدبہ سکندری جارج نمبر ۱۹۳۵ء

آس پاس ریاست کے حالات بدلنے لگے، مختلف جماعتیں وجود میں آ گئیں یا وجود میں لائی گئیں، اس کی وجہ سے ریاست رام پور کا منظر نامہ بدل گیا اور ریاست کے انضمام کے سلسلے میں جمعیت علماء ہند کی کوششوں کا جو مقصد تھا، ان میں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔

پہلی سیکولر جماعت نیشنل کانفرنس کا قیام

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد ریاست رام پور میں غلہ کی سخت قلت اور گرانی ہوگئی اور اتفاق کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصل اچھی نہیں ہوئی، ان وجوہات کی وجہ سے ریاست میں جبری غلہ وصول آرڈینس لایا گیا، جس کے تحت کاشتکاروں کے لئے اپنی ذاتی ضرورت کے علاوہ باقی غلہ ریاست کو فروخت کرنا لازمی قرار دیا گیا اور اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے سختی برتی گئی (۱)

کسانوں نے اس ناانصافی کے خلاف آندولن کیا، جس میں کسانوں اور پولیس کے درمیان جھڑپ ہوئی، پولیس نے گولیاں چلائیں جس سے ایک کسان مارا گیا اور بہت سے زخمی ہوئے (۲)

کسانوں پر گولی باری کی خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی، کچھ ذمہ دار حضرات جس میں ہندو مسلم سب ہی شریک تھے، احتجاج کے لئے تھانے گئے، ان سب کو وہی بٹھا لیا گیا اور یہیں باہم مشورہ سے طے ہوا کہ ریاستی حکومت کے خلاف متحدہ تحریک چلانے کی ضرورت ہے، چنانچہ اہل ہنود کی تنظیم پریم سبھا اور مسلمانوں کی سیاسی تنظیم انجمن تعمیر وطن دونوں نے مل کر ایک نئی سیکولر تنظیم "اتحاد بورڈ" قائم کیا، اس

(۱) ایڈمنسٹریشن رپورٹ ۲۷
(۲) اخبار ناظم ۲ رمئی ۱۹۴۶ء

بورڈ کے صدر مولانا عبدالوہاب خاں (۱) اور ستیش چندر گپتا سیکریٹری بنائے گئے، اس اتحاد نے بڑے بڑے اجلاس منعقد کئے جس کی وجہ سے ریاست کی سیاست میں نیا جوش اور نئے باب کا اضافہ ہوگیا (۲)

نوابی دور کے خاتمہ کا آغاز اور سیاسی مفاد کے لئے کوششیں

نیشنل کانفرنس سیکولر خیالات اور قومی جذبات کی آئینہ دار تھی بلا تفریق مذہب و ملت ہر طبقہ کی عوام کی ترجمانی اور رام پور میں آئینی ذمہ دار حکومت کے قیام کو اس نے اپنا نصب العین بنایا، دیگر ریاستوں کی طرح رام پور اسٹیٹ میں کانگریس کی کوئی تنظیم نہیں تھی؛ لیکن نظریاتی اعتبار سے نیشنل کانفرنس رامپور میں کانگریس کا نعم البدل تھی؛

(۱) مولانا عبدالوہاب خاں ولد حافظ عبدالغفار کا ۱۸۹۱ء میں گھیر یوسف خاں تکیہ معماران رام پور میں پیدا ہوئے، مشہور فقیہ اور شیخ الحدیث تھے، انہوں نے مدرسہ جامعۃ المعارف قائم کیا اور اس میں آخری سانس تک خدمات انجام دیں۔
مولانا سیاسی اور علمی طور پر ایک قد آور شخصیت تھے، عوام میں ان کا زبردست احترام تھا، وہ نام ونمود سے زیادہ خدمت اور ایثار کے قائل تھے۔ ریاستی ظلم وزیادتی کے خلاف ابتداء میں نواب صاحب کو خفیہ طور پر چند خطوط اصلاح حالات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تحریر کئے، ستمبر ۱۹۳۳ء میں رامپور میں پہلی سیاسی جماعت انجمن خدام وطن قائم ہوئی، مولانا اس کے صدر بنائے گئے، انجمن کی تشکیل کے فوراً بعد گرفتار کر لئے گئے، خدمت خلق اور ریاست رام پور میں ایک آئینی حکومت کے قیام کے لئے مختلف تحریکوں اور تنظیموں سے وابستہ رہے، نواب رضا علی خاں کے دور میں جمہوری نظام کی بحالی میں مولانا کا اہم کردار رہا، کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۴۹ء میں یوپی اسمبلی کے اسپیکر اور کانگریس کے صوبائی صدر پرشوتم داس ٹنڈن رامپور آئے اور کانگریس کمیٹی رامپور تشکیل دی، مولانا کانگریس کے صدر بنائے گئے؛ لیکن کچھ دنوں بعد وہ کانگریس سے مستعفی ہوگئے، شیعی فتنہ کی مختصر داستان، حالات والہامات مرزا اور تقریب القرآن تفسیر ان کی علمی یادگار ہیں، ۲۲ر نومبر ۱۹۷۸ء کو بدھ کے دن انتقال ہوا، گھیر مردان خاں کی مسجد کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

(۲) تاریخ رامپور ۲۵۰

چنانچہ ۱۹۴۸ء میں نیشنل کانفرنس کا آل انڈیا پیوپلس کانفرنس یعنی اکھل بھارتیہ پرجا پریشد سے الحاق کر کے یوپی کانگریس کمیٹی سے وابستہ کردیا گیا، (۱) ۲ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان میں عارضی حکومت قائم ہوئی تو مسلم لیگ نے بھی ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو اس عارضی حکومت میں شرکت کر لی اور صاحبزادہ لیاقت علی خاں (۲) سمیت پانچ وزراء نے وزارت سنبھال لی (۳) اس وقت کے ولی عہد مرتضٰی علی خاں سیاسی افق پر نمودار ہونے والے منظر نامے کو دیکھ رہے تھے، انہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ اب نوابی زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتی، وہ چاہتے تھے کہ اپنی شرائط پر ریاست کا انضمام ہو؛ لیکن چیف منسٹر زیدی اس کے لئے رکاوٹ تھے اور نواب رضا علی خاں بھی ایک طرح سے زیدی صاحب پر ایمان لائے ہوئے تھے، اس کی تفصیل تاریخ میں اس طرح ہے:

> ''ولی عہد ملک کے سیاسی افق پر نمودار ہونے والے منظر نامہ کو دیکھ رہے تھے، انہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ نوابی زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکتی؛ اس لئے وہ خود ریاست کا حکمران بن کر اپنے معاملات حکومت ہند سے براہ راست طے کرنا

---

(۱) رامپور کے رتن ۲۹

(۲) لیاقت علی خاں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ آپ ہندوستان کے علاقے کرنال میں پیدا ہوئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی، ۱۹۲۳ء میں ہندوستان واپس آئے اور مسلم لیگ میں شامل ہوئے، ۱۹۳۶ء میں آپ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بنے۔ آپ قائد اعظم محمد علی جناح کے دست راست تھے۔ آپ کرنال کے ایک نامور نواب جاٹ خاندان میں پیدا ہوئے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان، نواب رستم علی خان کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ ۲/ اکتوبر، ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ۵۶ سال کی عمر میں قتل کئے گئے۔

(۳) دبدبہ سکندری ۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۶ء

چاہتے تھے، اس مقصد کی تکمیل میں ریاست کے چیف منسٹر مسٹر زیدی ان کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے، ولی عہد جانتے تھے کہ نواب صاحب کلیۃً مسٹر زیدی پر منحصر ہیں اور جب تک وہ ریاست کے چیف منسٹر ہیں، ان کا منصوبہ پایہ تکمیل کونہیں پہنچ سکتا، انہوں نے اپنی والدہ ہر ہائنس کے توسط سے نواب صاحب کو ذہن نشین کرایا کہ ریاست کی تمام عوامی بدگمانی کا سبب مسٹر زیدی ہیں اور اگر ان کو ہٹایا جائے تو رعایا اور راعی کے درمیان تمام بدگمانیاں رفع ہوجائیں گی'' (۱)

مسلم کانفرنس کا قیام اور اس کا سیاسی پس منظر

زیدی صاحب ان حالات سے بے خبر نہیں تھے، انہوں نے اپنے عہدہ کی بقاء کے لئے ریاست میں ایسے سیاسی حالات پیدا کرنے کی حکمت عملی تیار کی کہ لوگ الجھ کر رہ جائیں اور ان کو اپنے عہدے پر باقی رکھنے پر مجبور ہوجائیں، اگر آزادی کے بعد ریاست کا خاتمہ ہوتا ہے، جس کے آثار ۱۹۴۶ء میں برٹش کیبنٹ مشن کی آمد سے ظاہر ہونے لگے تھے، تو زیدی صاحب کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا؟ اس کے لئے ابھی سے ہی زمین ہموار کرنا شروع کردی، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ زیدی صاحب نے اپنے خصوصی معتمد اور ریاست کے چیف سیکرٹری ناصر الدین مسعود کے ذریعہ ایک جماعت ''مسلم کانفرنس'' قائم کرائی، جو مسلم لیگ کے نظریات کی حامل تھی اور یہ جماعت بھی انہی کی ترجمانی کرتی تھی، اس دوران زیدی صاحب یکم نومبر ۱۹۴۶ء کو

(۱) تاریخ رامپور ۵۲۷

مسلم لیگ کے قائد محمد علی جناح (۱) سے بھی ملے (۲) یہ مسلم کانفرنس ارباب اقتدار کی سرپرستی اور وسائل کی فراہمی کے باعث بہت جلد مسلم عوام میں متعارف ہوگئی اور ان کی ہمدردیاں سمیٹنے لگی، صورت حال یہ ہوگئی، آسی ضیائی رامپوری نے لکھا ہے کہ:

''اس کے جلسے جلوس ہونے لگے، ابتداء میں کبھی کبھار تیس چالیس نوجوانوں کی بے ہنگم ٹولی پتنگ کے کاغذ کے جھنڈے لئے پاکستان کا نعرہ لگاتی نظر آتی، اس ٹولی میں زیادہ تر جرائم پیشہ اور مشتبہ کردار کے لوگ ہوتے'' (۳)

پاکستان میں شمولیت کا مطالبہ اور ریاست کی طرف سے وضاحت

اس بھاگ دوڑ کا اثر یہ ہوا کہ کئی ہزار دستخطوں سے نواب رام پور کو میمورنڈم دیا گیا کہ ریاست رام پور کو پاکستان میں شامل کیا جائے، جغرافیائی اعتبار سے رامپور کا پاکستان میں شامل ہونا ممکن نہیں تھا، اہل رامپور کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے مسلم لیگ نے ایک بار مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک راستہ دیئے جانے کی تجویز بھی پیش کی، ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں تھا۔

دسمبر ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی قائم ہوئی اس اسمبلی میں ریاست

---

(۱) محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے، نامور وکیل، سیاست دان اور بانی پاکستان تھے، محمد علی جناح ۱۹۱۳ء سے لے کر پاکستان کی آزادی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سربراہ رہے، پھر قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک، وہ ملک کے پہلے گورنر جنرل رہے۔ سرکاری طور پر پاکستان میں آپ کو قائدِ اعظم یعنی سب سے عظیم رہبر اور بابائے قوم بھی کہا جاتا ہے، جناح کی وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔

(۲) دبدبہ سکندری ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء

(۳) یادیں کچھ کرداروں کی ۹۹

بنارس اور ریاست رامپور دونوں کو ایک مشترکہ نمائندہ نامزد کرنا تھا، دونوں ریاستوں کی جانب سے اپریل ۱۹۴۷ء میں زیدی صاحب نمائندہ نامزد کئے گئے (۱) یہ شرکت ریاست رام پور کی طرف سے واضح اشارہ تھی کہ ہم انڈین یونین کے ساتھ ہیں اور ہندوستان کا حصہ رہیں گے، قائدین شہر نے اس شرکت کی زوردار مخالفت کی اور نواب صاحب سے ملاقات کر کے احتجاج درج کرایا کہ عوام کی منظوری کے بغیر ریاست نے ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کیوں کیا؟ (۲) صورتحال ایسی ہوگئی کہ ریاست کی طرف سے چیف منسٹر کو وضاحت کرنا پڑی؛ چنانچہ زیدی صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ:

> ''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ رامپور نے انڈین یونین میں شرکت کا فیصلہ کرلیا ہے، رامپور بالکل آزاد ہے، جو چاہے کرے، خواہ ہندوستان میں شریک ہو، خواہ پاکستان میں شریک ہو، یا خودمختار ریاست کی حیثیت سے قائم رہے'' (۳)

ہندوسبھا کا قیام اور اس کا سیاسی پس منظر

مسلم کانفرنس کے ساتھ ہی چیف منسٹر کرنل بشیر حسین زیدی نے اپنے معتمد اہل ہنود کے ذریعہ ریاست میں ایک سیاسی جماعت "ہندوسبھا" قائم کرائی، پنڈت کیشب دت اسکول ماسٹر تھے اور زیدی صاحب ہی نے بحیثیت وزیر تعلیمات ان کا تقرر کیا تھا، انہوں نے ملازمت سے استعفی دے کر جماعت کی بنیاد رکھی، یہ وضاحت ضروری

(۱) اسٹیٹ گزٹ ۲۹/ مارچ ۱۹۴۷ء
(۲) دبدبہ سکندری ۲/ جولائی ۱۹۴۷ء
(۳) تاریخ رام پور ۲۶۳

ہے کہ ہندو سبھا ایک مقامی اور حکومت نواز جماعت تھی، موجودہ آل انڈیا ہندو مہا سبھا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے (۱)

مسلم کانفرنس کا اجلاس اور گرفتاریاں

مسلم کانفرنس نے ۲؍اگست ۱۹۴۷ء کو جامع مسجد رام پور میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا، حکومت نے اس کو روکنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی، مسلم کانفرنس کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوئی، پانچ پانچ افراد مسجد سے باہر آتے اور گرفتاری دیتے رہے، اسی دوران پولیس نے طاقت کا استعمال کرتے ہوئے لاٹھی چارج کر دی، کچھ طلباء بھی اس کا شکار ہوئے ہوئے، دوسرے دن طلباء نے اس زیادتی کے خلاف احتجاجی جلوس نکالا، سب کی گرفتاری ہوئی اور پولیس نے موضع "دھمورہ" تحصیل ملک میں لے جا کر سب کو چھوڑ دیا، پولیس کی اس کارروائی پر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، دوسرے دن موتی مسجد میں احتجاجی جلسہ ہوا، حکومت کے خلاف زوردار تقریریں ہوئیں اور طے ہوا کہ جیل بھرو تحریک شروع کی جائے؛ چنانچہ طلبہ پرانی تحصیل پر احتجاج کے لئے چل پڑے۔

ہندو مسلم فساد کی حقیقت

جن حالات کا ہم ذکر کر رہے ہیں بعد میں آگے چل کر اس کو ہندو مسلم اختلاف کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ایسی صورت حال پیدا ہوگئی یا کر دی گئی کہ ریاست کا موجودہ شکل میں انضمام ہوا جو ریاست اور اہل ریاست کے لئے مستقبل میں نقصان دہ ثابت ہوا، ہم اسی تفصیل کی طرف چل رہے ہیں، حالانکہ ہندو مسلم اختلاف یا اس جیسی کوئی صورت دور تک نہیں تھی، اس دور کی تحریریں دیکھنے سے اور ماقبل کی تفصیل کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس مظاہرے کے ذریعہ طلبہ کے دو مطالبے اور اس کے لئے صرف دو ہی نعرے تھے، (۱) وقار طلبہ زندہ باد (۲) افسران پولیس معافی مانگیں۔ (۲)

---

(۱) رامپور سماچار ۲۶؍جنوری ۱۹۸۶ء (۲) تاریخ رام پور ۲۶۸

تحصیل کے اندر پولیس موجود تھی، طلبہ اور پولیس کے درمیان اندر گھسنے کے لئے کشمکش شروع ہوگئی، صورت حال اتنی کشیدہ ہوگئی کہ پولیس نے گولی چلا دی جس سے دو طالب علم شہید اور بہت سے زخمی ہو گئے، گولی چلنے کی خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی، پھر جو ہوا وہ نہایت دلسوز ہے، حالات بے قابو ہو گئے، بھیڑ نے تحصیل میں آگ لگا دی، پولیس کے اعلی حکام جو گولی کا حکم دینے والے تھے ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا اور اس کے علاوہ بہت سارے سرکاری دفاتر اور ان کی عمارتوں کو خاکستر کر دیا گیا شوکت علی خاں لکھتے ہیں:

> ''تحصیل صدر سے فارغ ہوکر یہ ہجوم صدر کچہری (موجودہ تحصیل صدر) پہنچا اور بڑی مستعدی سے ہائی کورٹ اور دیگر سرکاری عمارتوں، محافظ خانہ، رجسٹری آفس، دفتر نکاح خوانی، پولیس آفس اور اس کے بعد فراش خانہ اور موٹر ٹرانسپورٹ کمپنی کا سارا ریکارڈ خاکستر کر ڈالا، ناہید سنیما بھی جلا دیا گیا''۔(۱)

مکانات میں آگ لگادی گئی

رامپور میں ریاست کے باہر کے لوگ بھی موجود تھے وہ سرکاری عہدوں پر بھی تھے اور ان کے اپنے کاروبار بھی تھے، جنرل بشیر حسین زیدی جیسا گزر چکا کگرولی ضلع مظفر نگر سے تعلق رکھتے تھے، ان دنوں لوگوں کا عام خیال تھا کہ یہ باہری لوگ باشندگان ریاست کا حق غصب کر رہے ہیں، شام کے وقت ہجوم نے ان غیر باشندگان ریاست کو اپنا شکار بنانا شروع کیا، ان کے مکانوں اور ساز وسامان کو نقصان پہنچاتے، حیرت ہے کہ اس فساد میں بھی ہجوم نے عورتوں کی عزت اور ان کے احترام

(۱) تاریخ رامپور ۲۷۱

میں خاص طرز اختیار کیا کہ خواتین کو پہلے الگ کر دیتے، پھر سامان وغیرہ میں آگ لگا دیتے، آسی ضیائی رامپوری لکھتے ہیں:

''روزہ افطار کے بعد نوجوانوں نے ان غیر ملکیوں (غیر باشندگان ریاست) کی طرف رخ کیا، جو ان کے مطابق ریاست کے عوام کا حق غصب کر رہے تھے، چیف منسٹر زیدی کے عزیزوں کو نشانہ بنایا گیا، گھر میں گھس گھس کر پہلے سارا سامان فرنیچر، کپڑے، زیور، غلہ، نقدی ٹرنک، سائیکلیں، برتن چن چن کر مکان کے صحن میں جمع کیا جاتا اور اس میں آگ لگا دی جاتی، اگر یہ احتمال ہوتا کہ اس آگ سے کسی "غیر مستحق" کا مکان جل سکتا ہے تو یہ ہولی سڑک پر جلائی جاتی، رات بھر شہر میں آگ کے شعلہ بلند ہوتے رہے، گولیاں چلتی رہیں اور نعروں کی آوازیں گونجتی رہیں۔

اس ہنگامہ کے دوران ہجوم کا ایک خاص طرز عمل تھا، فسادی ٹولہ گھر کے دروازے پر آکر پہلے گھر کی عورتوں کو آواز دیتا "پردہ کرلو" پھر خواتین کے گھروں سے نکل جانے کے بعد گھر میں گھس کر ایک ایک چیز کو باہر صحن میں ڈھیر کرتا اور آگ دے دیتا، کسی کے دل میں ایک لمحہ کو بھی نہ تو کسی قیمتی چیز کو چرانے کا خیال آیا اور نہ خواتین کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی گئی'' (۱)

(۱) یادیں کچھ کرداروں کی ۱۰۶۔۱۰۷

غیر مسلموں کے ریاست رامپور چھوڑنے کی حقیقت

اس فساد کی وجہ سے شہر رامپور میں خوف و ہراس کا ماحول ہو گیا؛ حالانکہ پچھلی تفصیل سے آپ سمجھ چکے ہیں کہ اختلاف ہندو مسلم کے درمیان تھا نہ کسی قوم و برادری کے درمیان، یہ محض حکومت کے خلاف طلبہ کا احتجاج تھا، جو کچھ لوگوں کی عیاری و مکاری کی وجہ سے فساد کی شکل اختیار کر گیا، جن لوگوں کے مکانوں کو جلایا گیا ان میں کوئی بھی غیر مسلم نہیں تھا؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر فساد کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے اور وہ خوف و ہراس کی شکل میں ہر طبقہ کے لوگوں کے درمیان ظاہر ہوتا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور غیر مسلم بھائیوں نے شہر رامپور چھوڑنا شروع کر دیا، مسلمان ان کو روکنے کے لیے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ اسٹیشن وغیرہ سے لوگوں کو واپس لایا گیا، تاریخ رامپور میں تفصیل اس طرح ہے:

> ’’شہر میں بلوا و فساد سے خوفزدہ ہو کر کچھ اہل ہنود نے رامپور سے ترک سکونت شروع کر دی، مسلمانوں کے جتھے کے جتھے اپنے ہندو بھائیوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور کہا ہماری لڑائی حکومت سے ہے آپ سے نہیں، اسٹیشن تک سے تانگے اور گاڑیاں واپس لوٹائیں گئیں۔‘‘(۱)

غیر مسلموں کے نام نواب رضا کا پیغام

نواب رضا علی خاں بھی اس صورتحال سے رنجیدہ خاطر ہو گئے اور انہوں نے غیر مسلم باشندگان ریاست کے نام پیغام جاری کرتے ہوئے لکھا:

> ’’ہم نے یہ خبر بے حد افسوس کے ساتھ سنی کہ: رامپور

(۱) تاریخ رامپور ۲۷۵

کی اہل ہنود رعایا میں بلا وجہ خوف و ہراس پیدا ہوگیا ہے اور وہ ترک وطن پر آمادہ ہیں، کچھ لوگ ریاست سے باہر چلے گئے ہیں، یہ مشاہدات ہیں کہ پچھلی بدامنی کے زمانہ میں کوئی فرقہ وارانہ فساد رونما نہیں ہوا، اہل ہنود ہر طرح سے محفوظ رہے، ہماری ہندو رعایا کا طرز عمل ہمارے لئے باعث رنج ہے، ہمیں امید ہے کہ ہماری ہندو رعایا نہ صرف ترک سکونت سے باز آئے گی؛ بلکہ جو لوگ باہر چلے گئے ہیں انھیں واپس لانے کی کوشش کرے گی۔'' (۱)

ہندو مسلم تنظیمیں حکومت رامپور کے اشارہ پر قائم ہوئیں

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں رام پور میں دو تنظیمیں سرگرم ہوئیں:

(۱) مسلم کانفرنس: جس کا نعرہ تھا کہ ریاست رام پور کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔

(۲) ہندو سبھا: یہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے لئے کوشاں تھی۔

قارئین گزشتہ تفصیل سے خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اپنے سیاسی مفاد کے لئے کرنل بشیر حسین زیدی نے ہی اپنے معتمد لوگوں کے ذریعے ان تنظیموں کو قائم کیا تھا؛ چنانچہ انضمام ریاست کے بعد انعام کے طور پر مسلم کانفرنس کے نائب صدر صفدر علی خاں کو سٹی کانگریس کمیٹی رامپور کا صدر اور ہندو سبھا کے سربراہ پنڈت کیشب دت کو ضلع کانگریس کمیٹی رامپور کا صدر بنایا گیا؛ چونکہ اس وقت رام پور کانگریس نواب رضا علی خاں اور کرنل زیدی کے رحم و کرم پر تھی اس تمغۂ اعزاز سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کرنل زیدی اور نواب صاحب کے مقرب اور معتمد تھے۔

(۱) گزٹ رامپور اسٹیٹ ۱۳؍ستمبر ۱/۶

بشیر حسین زیدی کی کتاب میں فساد اور انضمام ریاست کا پس منظر

کرنل زیدی کی ۸۲ ویں سالگرہ ۱۹۸۰ء کو دہلی میں منائی گئی، اس موقع پر ''نذر زیدی'' کے عنوان سے مالک رام (۱) نے کتاب مرتب کر کے بطور خراج تحسین زیدی صاحب کی خدمت میں پیش کی، اس کتاب میں انضمام ریاست رام پور کے عنوان سے ان گزشتہ فسادات کے واقعات کی تصویر کشی کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ جس سے مسلمانان رامپور کی حب الوطنی پر حرف آتا ہے، اس میں صاف لکھا گیا ہے کہ پاکستان میں شامل ہونے کے لئے رام پور کی عوام نے مسلح بغاوت کی اور چونکہ کرنل زیدی ہندوستان میں انضمام کے مؤید تھے؛ اس لئے رامپور کے مسلمان ان کے بھی جانی دشمن ہو گئے، نذر زیدی کا اقتباس قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں:

> ''یہ ملک میں سیاسی سرگرمیوں کے شباب کا زمانہ تھا، سب جانتے تھے کہ ملک کی آزادی زیادہ دن تک روکی نہیں جاسکتی، اہم مسئلہ دیسی ریاستوں کا تھا کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا، ان میں سے بیشتر ہندوستان یا پاکستان میں ضم ہونے کا فیصلہ کر رہی تھیں، بعض بڑی ریاستیں آزاد مملکت بننے کا خواب

---

(۱) مالک رام کی پیدائش ۲۲ ردسمبر ۱۹۰۶ء میں ہوئی، جو ایک مشہور اردو، فارسی اور عربی عالم تھے۔ انہیں اپنی شاہکار تخلیق "تذکرہ معاصرین" پر ۱۹۸۳ء میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا۔ اردو اور فارسی کے مشہور شاعر مرزا غالب پر حرفِ آخر ہونے کے علاوہ مالک رام اپنے دور کے مشہور مصنف اور نقاد بھی تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ۸۰ تخلیقات تدوین یا شائع کرائیں۔ گو کہ ان کی تحریریں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں ہوتی تھیں مگر زیادہ تر تحریریں اردو میں ہیں اور ان میں ادب، مذہب اور تاریخ کے موضوعات غالب ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے ۲۰۰ سے زیادہ مقالے اور مضامین اردو میں پاکستان اور بھارت کے ادبی جریدوں اور رسالوں میں چھپوائے، ان کی وفات ۱۶ اپریل ۱۹۹۳ء کو ہوئی۔

دیکھنے لگی تھیں، مسلم لیگ کے لیڈر جن ریاستوں کے حکمراں مسلمان تھے انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا رہے تھے اور ہندوستان میں انضمام سے روکنے کے لئے حیلے حوالے کرنے پر اکسا رہے تھے، زیدی صاحب سے بھی کہا گیا کہ اول تو ریاست ہندوستان میں ضم نہ ہونے دیں اور اگر یہ ناگزیر ہو جائے تو اس میں جتنی تاخیر کرسکیں، کریں، جب یہ وار خالی گیا تو اخباروں میں ریاست اور زیدی صاحب کے خلاف مضامین کا تانتا لگ گیا، رامپور کے باشندوں نے یہ مضامین پڑھے تو وہ نظام (انضمام؟) ریاست کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے، چار دسمبر (۴/اگست؟) ۱۹۴۷ء کو مخالفت نے بغاوت کی شکل اختیار کرلی، زیدی صاحب کے عزیز خاص طور پر عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے، ان کے بھائی نظیر حسین کا مکان لٹ گیا اور بیسیوں کا سامان نذر آتش ہوا، ان کے بیشتر رشتہ داروں کو جان بچانے کے لیے اپنے مکان سے زیدی صاحب کے ہاں آکر پناہ گزیں ہونا پڑا۔

غرض رامپور کا امن وامان درہم برہم ہو گیا، شہر پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا اور ہر وہ شخص جس سے متعلق انہیں شبہ تھا کہ ہندوستان کے ساتھ انضمام ریاست کا مؤید ہے ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا اور وہ اس کے جانی دشمن تھے، جب حالات بہت سنگین صورتحال اختیار کر گئے تو زیدی صاحب کی

درخواست پر حکومت ہند نے ایک فوجی رجمنٹ بریلی سے امن و امان بحال کرنے کے لئے بھیج دی، فوج کو طاقت استعمال کرنا پڑی اور اتلاف جان تک نوبت پہنچی، بالآخر باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے''۔(۱)

سردار پٹیل کی اہل رامپور سے بدگمانی اور مجسٹریٹ کی رپورٹ

ظاہر ہے اس میں بھی وہی سب افسانہ لکھا یا لکھوایا گیا ہے، جس پر زیدی صاحب کے ذاتی مفادات کی تعمیر ہوئی تھی اور اس کا انہوں نے خاطر خواہ فائدہ بھی حاصل کیا، افسانہ بندی کا نتیجہ تھا کہ سردار پٹیل (۲) بھی رام پور کی عوام سے بہت بدگمان اور برہم تھے، انضمام ریاست کے بعد سرکاری وغیر سرکاری تحریریں اور شواہد سامنے آئے تو بات ہر طرح واضح ہوگئی کہ مسلمانان رامپور کبھی بھی پاکستان کے ساتھ انضمام نہیں چاہتے تھے اور چند لوگوں کی ٹولی جو نعرے لگاتے نظر آتی تھی وہ زیدی صاحب کے ہی لوگ تھے؛ چنانچہ انضمام ریاست کے بعد رامپور کے پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ٹھاکر گنگا سنگھ چورامنی نے یوپی حکومت کو ۱۹۵۲ء میں رام پور کی پہلی باضابطہ رپورٹ روانہ کی، اس سرکاری رپورٹ میں ۴؍اگست ۱۹۴۷ء کے واقعے کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے:

''مسٹر زیدی نے کچھ افراد کو جن میں زیادہ تر غنڈے

---

(۱) نذر زیدی ۶۳

(۲) ولبھ بھائی پٹیل بھارت کے ایک سیاسی وسماجی رہنما تھے، جنہوں نے تحریک آزادی ہند اور بعد از تقسیم ہند بھارت کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا۔ بھارت اور دنیا بھر میں انہیں 'سردار' کے نام سے جانا جاتا تھا اس لیے آپ سردار ولبھ بھائی پٹیل بھی کہلاتے ہیں۔
سردار کا تعلق ریاست گجرات سے تھا اور آپ ایک کامیاب وکیل تھے۔آپ نے سول نافرمانی کی =

تھے، اجرت پر حاصل کیا، ان لوگوں نے رامپور کو پاکستان میں شامل کرنے کے نعرے لگائے، اس نعرے بازی نے بدقسمتی سے مسلم عوام کے ذہنوں کو متاثر کیا؛ لیکن اس کے باوجود کسی ہندو کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی ہندو کی جائیداد کا نقصان ہوا، اس کے برعکس فسادیوں نے متعدد عمارتوں کو جن میں محافظ خانہ، کچہری اور افسران کے مکانات شامل تھے، جلا دیئے، انہوں نے بہت سے شیعہ حضرات کی جائیدادوں کو تباہ و برباد کر دیا، ان واقعات سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں رام پور کی شمولیت کے نعرے کے باوجود یہ فساد شیعہ سنی اور حکومت مخالف فساد تھا''۔(۱)

= تحریک میں گجرات کے عوام کو متحد کیا جو برطانوی راج کی ظالمانہ راج نیتی کے خلاف ایک زبردست احتجاج تھا۔ اس کردار کے باعث آپ گجرات کے موثر ترین رہنماؤں میں سے ایک ہو گئے۔ بعد ازاں آپ انڈین نیشنل کانگریس کے اعلیٰ ترین عہدوں تک پہنچے اور اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔
آپ نے بعد از تقسیمِ ہند بھارت کے وزیر داخلہ اور نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے موجودہ متحدہ بھارت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے بھرپور عسکری قوت کا مظاہرہ کیا اور کئی ریاستوں کو وفاقِ بھارت میں شامل کیا۔ اس کارروائی کے باعث انہیں ''بھارت کا مرد آہن'' کہا گیا۔ دراصل ۳؍جون کے منصوبے کے تحت ہندوستان بھر کی تقریباً ۶۰۰ ریاستوں میں مقامی نوابوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بوقت تقسیم ہندوستان یا پاکستان جس میں شامل ہونا چاہیں اپنی مرضی کے مطابق شامل ہو سکتے ہیں۔ ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کی حتمی تاریخ تک سوائے تین ریاستوں کے تقریباً تمام ریاستیں ہندوستانی دباؤ کو برداشت نہ کر سکیں اور بھارت میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ یہ تین ریاستیں جموں و کشمیر، جونا گڑھ اور حیدر آباد تھیں۔ ان تینوں ریاستوں کو عسکری قوت کے ذریعے ہندوستان میں شامل کیا گیا۔ سردار کی پیدائش ۳۱؍اگست ۱۸۷۵ء اور انتقال ۱۵؍ستمبر ۱۹۵۰ء کو ہوا۔

(۱) رپورٹ ٹھاکر چورامنی سنگھ مشمولہ تاریخ رامپور ۲۸۱

نواب رامپور اور زیدی صاحب کا انضمام ریاست میں سیاسی مفاد

اس رپورٹ کے علاوہ بہت سارے منصفانہ تجزیے تحریری شکل میں موجود ہیں جو اس سچائی کو واضح کرتے ہیں، گزشتہ صفحات میں ولی عہد مرتضی علی خاں کا زیدی صاحب کے بارے میں نظریہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ کرنل زیدی سے ان کے ذاتی مفادات کی وجہ سے سخت متنفر تھے، ماضی قریب تک رام پور اور اس کے اردگرد میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے ان حالات کو اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا، دراصل زیدی صاحب نوابی دور کے خاتمے کے بعد سیاسی افق پر نمودار ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے، زیدی صاحب نواب رضا علی خاں کے معتمد اور چیف منسٹر تھے اور دوسری طرف سردار پٹیل سے بھی دوستانہ تعلقات تھے (۱) ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہونے والا تھا سردار پٹیل نے کرنل زیدی کو ہدایت دی تھی کہ ہندوستان کی یوم آزادی کے دن ریاست رام پور میں کوئی گڑ بڑ نہیں ہونا چاہیے (۲)

زیدی صاحب اپنی آلہ کار مسلم کانفرنس کے ذریعے ریاست میں صرف اتنی بدامنی پیدا کرنا چاہتے تھے جس کی بدولت سردار پٹیل کو یہ باور کرا سکیں کہ ریاست رام پور کا ہندوستان میں انضمام انہی کی محنت اور تگ و دو کا نتیجہ ہے ورنہ رامپور کی عوام پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتی ہے، یہ ایک ایسا مؤثر طریقہ کار تھا جس کے ذریعے آزاد حکومت کے صف اول کے قائدین کی نگاہ میں زیدی صاحب کا کردار بہت بلند ہو جاتا اور ایسا ہوا بھی؛ زیدی صاحب کے تذکرہ میں قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ زیدی صاحب کو آزادی کے بعد بڑے بڑے عہدوں کی صورت میں کتنا نفع ہوا؟

---

(۱) نذر زیدی ۴۹

(۲) انٹرویو مسٹر یوگیش سرن شرما سابق اے، ڈی، سی، نواب رضا علی خاں، مشمولہ تاریخ رامپور ۲۸۶

چنانچہ مسلم کانفرنس نے زیدی صاحب کی منشاء کے مطابق بدامنی پیدا کی؛ لیکن طلباء پر فائرنگ کے واقعے نے سنگین صورتحال اختیار کر لی اور حالات بے قابو ہو گئے۔

دوسری طرف زیدی صاحب نواب رضا علی خاں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ اب شخصی حکمرانی کا خاتمہ ناگزیر ہے اگر حکومت ہند کے شرائط کے مطابق انضمام ہو جائے تو دیگر تمام امور میں نواب صاحب کو بالادستی رہے گی، تاریخ رامپور میں ہے:

''چیف منسٹر کرنل بشیر حسین زیدی ہندوستان کے سیاسی افق پر نمودار ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے انہوں نے نواب رام پور کو نوشتہ دیوار پڑھنے پر مجبور کر کے باور کرایا کہ آپ کی حکومت کا خاتمہ ناگزیر ہے حکومت ہند صرف انضمام ریاست کی خواہش مند ہے، اگر اس کی خواہش کے مطابق عمل کیا جائے تو دیگر تمام امور میں والی ریاست کی بالادستی رہے گی، یہ حکمت عملی ذاتی اعتبار سے نواب صاحب اور سیاسی اعتبار سے کرنل بشیر حسین زیدی کے لئے سودمند تھی''۔(۱)

ریاست رام پور میں جمہوری حکومت کے قیام میں مجاہد ملتؒ کا کردار

نواب رضا علی خاں کے تذکرہ میں یہ بات آچکی ہے کہ ان کے دور میں شخصی حکمرانی کی وہ صورتحال باقی نہیں رہی تھی جو ان سے پہلے والیان ریاست کے تذکرے میں ملتی ہے؛ بلکہ اس دور میں شخصی حکمرانی کے ساتھ ساتھ جمہوری بیداری کا بھی آغاز ہو چکا تھا، نواب رضا علی خاں نے اس تبدیلی کے لئے عملی اقدامات بھی کئے، جس کی

---

(۱) تاریخ رام پور ۳۰۴

تفصیل گزر چکی ہے؛ لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ تبدیلی محض نواب رضا علی خاں کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ نہیں تھی؛ بلکہ اس میں ریاست رام پور کی اہم علمی اور سیاسی شخصیات کی جدوجہد، عوامی تحریکات اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں بھی کارفرما تھی، اس کی تفصیل اور جزئیات کو تاریخ نے محفوظ تو نہیں رکھا؛ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کی کوششیں تھیں جو کامیاب گئیں، رامپور کے مشہور اخبار دبدبہ سکندری ۲۴ رجنوری ۱۹۴۹ء میں ایک تفصیلی خبر ہے کہ گاندھی پارک میں کانگریس کمیٹی رامپور کا جلسہ مولانا عبدالوہاب خاں کی صدارت میں ہوا، اس جلسہ کو یوپی کانگریس کے جنرل سیکریٹری موہن لال گوتم (۱) اور جمعیت علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ خطاب کرنے آئے، مولانا عبدالوہاب خاںؒ نے اپنی مختصر افتتاحی تقریر میں دونوں لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ:

''آپ وہی اصحاب ہیں جنہوں نے حکومت رام پور اور عوام کے درمیان پڑی ہوئی گتھی کو سلجھایا تھا'' (۲)

یہ ''گتھی'' کیا تھی؟ اس کی کوئی تفصیل اس خبر میں موجود نہیں ہے؛ لیکن تاریخ رامپور میں ان دونوں حضرات کو رامپور میں ذمہ دار آئینی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں میں سے بتایا گیا ہے، مولانا عبدالوہاب خاں کا اشارہ ان کی انہی عظیم خدمت کی طرف تھا، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''ان دونوں رہنماؤں نے رامپور میں ذمہ دار آئینی

---

(۱) موہن لال گوتم کی پیدائش علی گڑھ میں ہوئی، ملک کی آزادی میں گرم جوشی سے حصہ لیا، دستور ہند مرتب کرنے والی کمیٹی کے آپ اہم رکن تھے، آزادی کے بعد یوپی کی پہلی اسمبلی کے رکن بھی رہے۔

(۲) دبدبہ سکندری ۲۴ رجنوری ۱۹۴۹ء

حکومت کے قیام کی مسلسل جدو جہد کی تھی''۔(۱)

انضمام ریاست کے سلسلے میں اہل رام پور کی رائے

انضمامی ریاست رام پور کے متعلق تمام تحریریں دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ رام پور کے عوام کے درمیان انضمام کے بارے میں تین موقف تھے:

۱۔ریاست رام پور کو پاکستان میں ضم کر دیا جائے یہ مطالبہ مسلم کانفرنس سے جڑے ہوئے لوگوں کا تھا۔

۲۔ریاست رام پور کا انضمام ہندوستان کے ساتھ ہو اور اس میں ریاست کی طرف سے کسی طرح کی شرائط نہ ہو؛ بلکہ آزاد ہندوستان کی حکومت کی اعلیٰ قیادت ریاست کے انضمام میں پوری طرح آزاد ہو، جس طرح چاہے ریاست رام پور کو ہندوستان میں ضم کر دے، ہندو سبھا کی یہی رائے تھی، آپ گزشتہ تحریر میں جان چکے ہیں کہ یہ دونوں تنظیمیں ایک خاص مقصد کے تحت نواب رام پور اور چیف منسٹر کرنل بشیر حسین زیدی نے اپنے معتمد لوگوں کے ذریعے اختراع کی تھی۔

۳۔ریاست رام پور کا انضمام ہندوستان کے ساتھ ہوں؛ لیکن اس کو انفرادی خصوصی حیثیت دی جائے اور اس کو مرکز کے زیر انتظام ایک مخصوص علاقہ بنا دیا جائے، ریاست رام پور کے ہندو اور مسلمانوں کی اکثریت کا موقف یہی تھا، دبدبہ سکندری کی گزشتہ خبر میں یہ تفصیل موجود ہے کہ:

> ''شری گوتم جی کی تقریر کے درمیان ہزاروں آدمیوں کے مجمع سے صرف چار، پانچ آوازیں آئیں کہ ''ریاست مرج کرو''، ہم کانگریس کو چاہتے ہیں ''گوتم واپس جاؤ'' ان آوازوں

(۱) تاریخ رام پور ۳۰۵

کا جواب ہزاروں ہندو اور مسلمانوں نے یہ دیا کہ ہم
(ریاست کا) موجودہ درجہ چاہتے ہیں، گوتم پر ہمیں اعتماد ہے،
ریاست کو ہرگز مرج نہ ہونا چاہیے''۔(۱)

چار پانچ آوازوں کو چھوڑ کر باقی لوگوں کا کہنا کہ ریاست مرج نہ ہونا چاہیے، اس کا مطلب یہی ہے کہ دیگر ریاستوں کی طرح اس کا انضمام نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ موجودہ درجہ کی بقاء اور خصوصیت وافادیت کے ساتھ ریاست کا انضمام ہونا چاہیے۔

ریاست رام پور کے انضمام میں مجاہد ملت اور جمعیۃ علماء ہند کا موقف

بیسویں صدی میں اوراس سے پہلے بھی رامپور ایسی مسلم ریاست تھی کہ جہاں سے چاروں طرف کے لوگوں کی دینی اور معاشی ضروریات پوری ہوتی تھی، مصیبت زدہ لوگ یہاں پناہ لیتے تھے، شہر رامپور اس دور میں علوم مشرقیہ کا عظیم مرکز تھا، جہاں ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور دور دراز کے طلبہ اور علماء اپنے علوم وفنون کی تکمیل کے لئے آتے تھے؛ اس لئے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور جمعیت علماء ہند کے اکابر چاہتے تھے کہ ہندوستان میں ضم ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست رام پور کی انفرادی اور خصوصی حیثیت ہمیشہ کے لئے یا کم از کم اس وقت تک برقرار رکھی جائے، جب تک یہاں کے عوام کی مفلوک الحالی ختم نہ ہوجائے اور مالی واقتصادی بحران سے مقابلے کے لئے اسباب ووسائل مہیا نہ ہوجائیں، اس موقف میں اہل ریاست کے مستقبل کی خوشحالی کی ضمانت تھی، رامپور کے صف اول کے قائدین خصوصاً مولانا عبدالوہاب خاں بھی یہی چاہتے تھے، دبدبہ سکندری کی گزشتہ خبر میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی رامپور آمد کا مقصد بھی یہی تھا کہ ریاست میں ہندو مسلم کا

---

(۱) دبدبہ سکندری ۲۴؍جنوری ۱۹۴۹ء

مرتب کردہ اختلافی ایجنڈہ کے ذریعے ریاست کے جلد از جلد انضمام کا جو مطالبہ کیا جا رہا ہے، اس سے یہاں کے عوام باز آئیں اور ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کیا جائے۔

جمعیت علماء ہند نے اس ریاست کے لوگوں کی خوشحالی کے لئے اور ریاست کو خصوصی درجہ دلانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کیں، مقامی قائدین کے ساتھ مولانا آزاد سے بار ہا ملاقات کیں اور تمام صورتحال ان کے سامنے پیش کر کے مولانا آزاد کو اس پر تیار کر لیا کہ ریاست رام پور کو دیگر ریاست کی طرح ہندوستان کے ساتھ ضم نہ کیا جائے، ہفت روزہ اخبار نیا خواب رامپور ۱۶/فروری ۱۹۶۳ء کے حوالے سے تاریخ رامپور میں نقل کیا گیا ہے:

'' رامپور کانگریس کے صدر مولانا عبدالوہاب کا جمعیت علماء ہند کے قائدین مولانا احمد سعید(۱) اور مولانا محمد میاں(۲) کے ہمراہ دہلی میں انضمام ریاست کے مسئلہ پر

---

(۱) مولانا احمد سعید دہلویؒ کی ولادت ۱۸۸۸ء کو ہوئی، آپ مشہور عالم دین، محبّ وطن اور جمعیت علمائے ہند کے صدر تھے، مدرسہ امینیہ دہلی میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۰ء سے قومی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا اور آٹھ مرتبہ جیل گئے۔ خوش بیان مقرر تھے اور سحبان الہند کہلاتے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد جمعیت العلماء ہند کے صدر مقرر ہوئے۔ اس سے قبل آپ اس جماعت کے ناظم اعلیٰ تھے۔ دینی اور علمی موضوعات پر تقریباً بیس کتابیں یادگار چھوڑیں، ۴/دسمبر ۱۹۵۹ء کو مغرب کے بعد وفات پائی۔

(۲) مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ہندوستان کے مشہور مؤرخ، سیاست داں، دانشور اور ماہر تعلیم تھے جنھوں نے تحریک آزادی ہند میں بھرپور حصہ لیا۔ نیز وہ جمعیۃ علمائے ہند کے ترجمان، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے افکار و نظریات کے حامل و نگہبان اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے معتمد علیہ معاون و مددگار بھی تھے۔ مولانا محمد میاںؒ کا اصل نام مظفر میاں تھا۔ ان کا تعلق دیوبند کے قدیم خاندان سادات رضویہ سے تھا جو دیوبند کے سادات خاندان =

مولانا ابوالکلام آزاد(۱) سے ملے اور مولانا آزاد پر رامپور کی پوزیشن واضح کی اور رامپور کی انفرادی اور خصوصی حیثیت برقرار رکھنے پر زور دیا؛ کیونکہ یوپی میں رامپور ایک ایسی مسلم ریاست تھی جہاں چاروں طرف کے مصیبت زدہ لوگ پناہ لیتے تھے، وہ مشرقی علوم کا مرکز تھا اس کے عوام مفلوک الحال تھے، جملہ دلائل کی سماعت کے بعد مولانا آزاد نے وفد کے خیالات سے اتفاق کیا، مولانا آزاد کا منشاء تھا کہ رامپور کی انفرادی حیثیت اس وقت تک برقرار رکھی جائے اور اس کو مرکز کے زیر انتظام ایک خصوصی علاقہ بنا دیا جائے تاوقتیکہ وہ معاشی

= میں سب سے بڑا سمجھا جاتا ہے، آپ کی ولادت ۴/اکتوبر ۱۹۰۳ء کو ہوئی، آپ نے اپنے پیچھے مختلف موضوعات پر متعدد بافیض تصانیف چھوڑیں، ان میں علماء ہند کا شاندار ماضی، علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے اور اسیران مالٹا وغیرہ کو خاص قبولیت حاصل ہوئی، ۲۲/اکتوبر ۱۹۷۵ء کو وفات ہوئی۔

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم اور قومی رہنما تھے، مولانا آزاد کا اصل نام محی الدین احمد تھا، ان کے والد محمد خیر الدین انہیں فیروز بخت (تاریخی نام) کہہ کر پکارتے تھے، ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، سلسلہ نسب جمال الدین افغانی سے ملتا ہے جو اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، مولانا آزاد کا بچپن مکہ اور مدینہ میں گزرا، ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی، پھر جامعہ ازہر چلے گئے، ۱۴/سال کی عمر میں علوم مشرقی کا تمام نصاب مکمل کر لیا تھا، مولانا کی ذہنی صلاحیتوں کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں ماہوار جریدہ ''لسان الصدق'' جاری کیا، آزاد بیک وقت عمدہ انشاء پرداز، جادو بیان خطیب، بے مثال صحافی اور بہترین مفسر تھے، مولانا آزاد نے کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں غبار خاطر، انڈیا ونس فریڈم، تزکیہ اور ترجمان القرآن سرفہرست ہیں، آزادی کے بعد رامپور کے پہلے ایم پی بھی رہے، آپ کی وفات ۶۹ سال کی عمر میں ۲۲/فروری ۱۹۵۸ء کو ہوئی، آپ کا مزار دہلی جامع مسجد کے قریب ہے۔

طور پر مستحکم اور خوشحال خطہ نہ بن جائے''۔(۱)

ریاست رام پور کے ارباب اقتدار کی جلد بازی اور عوام کی مالی مشکلات

مجاہد ملتؒ کی نگاہ میں ریاست رام پور کی خصوصی حیثیت اور انفرادیت کے خدوخال کیا تھے؟ اس سلسلے میں کوئی حتمی بات تو نہیں کہی جاسکتی؛ لیکن یہ بات طے ہے کہ موجودہ شکل وصورت میں ضم کرنے میں جو نقصان ریاست کے عوام خصوصاً مسلمانوں کو اقتصادی اور دینی اعتبار سے اٹھانا پڑا، شاید اس کی نوبت نہ آتی اور یہاں کا منظر نامہ مختلف ہوتا، اوپر گزر چکا ہے کہ کانگریس کے صدر مولانا عبدالوہاب خاںؒ، مولانا احمد سعید صاحبؒ اور مولانا محمد میاں صاحبؒ کے ہمراہ مولانا آزاد سے دہلی جا کر ملے تھے، مولانا آزاد نے یقین دہانی کرائی تھی کہ پہلے رامپور کے عوام کی معاشی مشکلات کو رفع کیا جائے گا اور اس کے بعد کسی صوبے میں رامپور کو ضم کرنے کا فیصلہ ہوگا؛ لیکن ریاست کے ارباب اقتدار کے عزائم اس کے برعکس تھے، ۱۵رمئی ۱۹۴۹ء کو جلد بازی اور رازداری کے ساتھ ریاست کا مرکز میں انضمام کردیا گیا اور جن مصائب کا خدشہ تھا، وہی درپیش آئے، ریاست رام پور کی عوام کو زبردست مالی واقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ایسی صورت میں فطری طور پر دیگر مشکلات بھی کھڑی ہوگئیں، جن کا شمار کرنا اور تجزیہ کرنا اس موقع پر مشکل ہے، ریاست کے انضمام کے لئے جو معاہدہ مرتب ہوا وہ تاریخ رامپور اور دیگر کتابوں میں موجود ہے، اس میں وقتی طور پر جو معمولی اور برائے نام مراعات ریاست کی املاک، نواب صاحب اور ان کے متعلقین اور مدرسہ عالیہ سے متعلق دی گئیں تھیں وہ بھی چند سالوں میں ختم کردی گئیں۔

۱۵رمئی ۱۹۴۹ء کو حکومت ہند برائے منسٹری آف اسٹیٹس کے مشیر شری وی پی مینن

(۱) تاریخ رامپور ۳۰۵

رامپور آئے اور معاہدہ انضمام ریاست پر مسٹر مینن نے گورنر جنرل آف انڈیا کے نمائندے اور ریاست کی جانب سے نواب رضا علی خاں نے دستخط کئے، یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو ریاست رام پور کا مرکز سے انضمام منظور کرلیا گیا، اس سلسلے میں حسب ذیل فرمان جاری ہوا:

> ''ہم نے حکومت ہند کی وفاداری اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے پیش نظر ریاست رام پور کا یکم جولائی ۱۹۴۹ء سے مرکز سے الحاق ہونا تسلیم کرلیا ہے''۔(۱)

مولانا آزاد کی مجبوری

ریاست رام پور کے اچانک انضمام سے اور کسی خصوصی حیثیت کی رعایت نہ کرنے سے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دیگر اکابر جمعیت علماء ہند اور مولانا عبدالوہاب خاںؒ کو حیرت اور استعجاب کے ساتھ بڑی تکلیف ہوئی، مولانا آزاد کی یقین دہانی کی وجہ سے ان حضرات کو اعتماد تھا کہ انضمام ریاست کی صورت میں رام پور کی خصوصیت اور انفرادیت کو تسلیم کیا جائے گا؛ لیکن جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں بعض لوگوں نے ذاتی مفادات کی خاطر جلد بازی میں ان بزرگوں کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا، انہوں نے اپنے منصوبے کے لئے مولانا آزاد جیسے ذی شعور، معاملہ فہم اور صاحب علم کے بھی کان بھر دیئے اور ایسے حالات ان کے سامنے پیش کئے جن کو مولانا آزاد پوری طرح سمجھ نہ سکے اور سردار پٹیل کے سامنے موجودہ شکل میں انضمام ریاست پر رضامندی کا اظہار کردیا، شوکت علی خاں نے ہفت روزہ اخبار نیا خواب رامپور ۱۶/فروری ۱۹۶۳ء کے حوالے سے لکھا ہے:

(۱) گزٹ اسٹیٹ رامپور ۷/مئی ۱۹۴۹ء

''مولانا عبدالوہاب خاں انضمام ریاست کے بعد مولانا آزاد سے دہلی جا کر دوبارہ ملے اور ریاست کے مرکز میں فوری انضمام کئے جانے کی شکایت کی، مولانا آزاد نے فرمایا: میں نے جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوتا، میں نے سردار پٹیل سے بات کرلی تھی اور یہ قرار لے لیا تھا کہ جب تک وہ (مولانا آزاد) انضمام کے لئے منظوری نہیں دیں گے، اس وقت تک ریاست رامپور مرج نہیں کی جائے گی؛ لیکن بعد کو ذمہ داران نے میرے سامنے جو حالات پیش کئے ہیں، ان کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا اور محض دوسرے حضرات کے اطمینان دلانے پر میں نے اپنی منظوری دے دی''۔(۱)

انضمام ریاست کے موقع پر ریاست رامپور اور ہندوستانی حکومت کے درمیان معاہدہ تحریر کیا گیا تھا، وہ تاریخ رامپور میں موجود ہے۔اس میں نواب رامپور، ان کے اعزہ اور ریاست رامپور کی رعایا کے لئے جن مراعات کا وعدہ کیا گیا تھا وہ رفتہ رفتہ ختم کردی گئیں۔یکم جولائی ۱۹۴۹ء کو انضمام کے موقع پر رنگ محل کے اسمبلی حال میں ایک تقریب منعقد ہوئی، اس موقع پر فرمانروائے رامپور کا آخری پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

''بحیثیت حکمراں آج میں آپ کو الوداع کہہ رہا ہوں، لیکن مجھ میں اور آپ میں جو دوستانہ تعلقات بحیثیت رامپوری کے ہیں، وہ ہرگز منقطع نہیں ہو سکتے، رامپور ہمارا گھر ہے، ہم سب اسی خاک سے اٹھے ہیں اور اسی خاک میں ملیں گے''(۲)

---

(۱) تاریخ رامپور ۳۰۶

(۲) دبدبہ سکندری ۱۱/ جولائی ۱۹۴۹ء

۲۵/ جولائی ۱۹۴۹ء کو رامپور کے تمام افسران نے حکومت ہند سے وفاداری کا حلف اٹھایا:

''میں قسم کھاتا ہوں ، میں انڈیا کا اور اس کے نظام حکومت کا وفادار رہونگا، صدق دل سے ان کی فرمانبرداری کروں گا اور خیر خواہی سے اپنے فرائض منصبی انجام دوں گا''۔(۱)

بہر حال یکم جولائی ۱۹۴۹ء کی صبح کو تمام سرکاری عمارتوں پر ریاستی جھنڈوں کے بجائے ہندوستانی جھنڈے لہرا دیئے گئے اور ہندوستان کی ایک چھوٹی سی ریاست مگر عزت و شہرت میں بڑی ریاستوں کے مساوی، ریاست رامپور انڈین یونین میں ضم ہوگئی، انضمام کے وقت رامپور کا رقبہ ۸۹۴ مربع میل، آبادی ۴ لاکھ ۷۷ ہزار اور آمدنی ایک کروڑ روپے سالانہ تھی۔

(۱) دبدبہ سکندری ۸/اگست ۱۹۴۹ء

باب دوم

مدرسہ عالیہ رامپور کا مختصر تعارف

۱۷۷۵ء میں نواب فیض اللہ خاں کی استدعاء پر بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلیؒ (۱) شاہجہاں پور سے رام پور تشریف لائے اور شہر رام پور کے ایک محلّہ میں مسند تدریس کو رونق بخشی، یہی مدرسہ کا نقطہ آغاز تھا، اس وقت مدرسہ کا نام ''عالیہ'' نہیں ہوا کرتا تھا، بحر العلوم کی مسند درس کی وجہ سے عرف عام میں اس کو ''مدرسہ محلّہ'' یا ''مدرسہ عربی'' کہا جاتا تھا، ریاست رامپور کے پانچویں والی نواب محمد سعید خاں کے عہد میں مدرسہ کا نام ''عالیہ'' پڑا۔

مدرسہ کی تاسیس کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ یہ ہندوستان میں مشرقی علوم اور اسلامیات کے نہایت ممتاز اداروں میں شمار ہونے لگا، اس مدرسے میں بڑے نامور

---

(۲) بحر العلوم مولوی عبد العلی فرنگی محلیؒ: مرتب درس نظامی نظام الدین سہالویؒ (متوفی ۹ رجمادی الاولی ۱۱۱۶ھ مطابق مئی ۱۷۴۸ء) کی دوسری بیوی سے ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء میں پیدا ہوئے، کتب درسیہ اپنے والد سے پڑھیں، ۱۸ رسال کی عمر میں علوم وفنون کی تکمیل کرلی، بحر العلوم کو تمام ہی علوم میں تعمق اور تبحر حاصل تھا؛ البتہ منقولات میں درجہ امامت پر فائز تھے، بحر العلوم نے معقولات، منقولات تصوف اور دیگر علوم میں علمی یادگاریں چھوڑی ہیں، عربی وفارسی میں ان کی تالیفات کی تعداد سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں، اولاً شاہجہاں پور اور پھر نواب فیض اللہ خاں کی دعوت پر رام پور تشریف لے گئے، رامپور میں قیام تھا کہ ارکاٹ کے نواب نے جنوبی ہند میں آنے کی دعوت دی، آپ تشریف لے گئے اور چنیا پٹن میں مدرسہ قائم کرکے درس دینا شروع کیا، =

علماء مسند درس پر بیٹھے اور ایسے ہی کتنے باصلاحیت طالب علم یہاں سے فارغ ہو کر نکلے، جنہوں نے علوم مشرقیہ کے خزانے میں بیش بہا اضافہ کئے۔ ابتدائی دور میں ہی مدرسے کی علمی شہرت اقطاء عالم میں پہنچ چکی تھی اور یہاں مشرقی علوم کے حلقہ درس قائم ہو گئے تھے، مولانا عبدالسلام خاں لکھتے ہیں:

> ''اسی مدرسہ عربی اور اس کے سربراہ مولانا بحرالعلوم کا فیض تھا کہ مختلف دیار و امصار سے علماء اور طلباء برابر آتے رہے، یہ اساتذہ اپنے اپنے حلقہ درس قائم کر کے رامپور کو رشک بخارا بنائے ہوئے تھے، ایسے حلقہ ہائے درس جن کے استاذوں کو، جو پانچ سو کے قریب تھے، ریاست سے تدریسی وظیفے ملتے تھے''(۱)

طلبہ اور اساتذہ کے تعارف میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> ''چونکہ یہ روہیلہ ریاست تھی اور حلقہ ہائے درس کے اساتذہ کی اکثریت سرحد آزاد اور افغانستان سے متعلق تھی، اس وجہ سے طلبہ کی بڑی تعداد بھی سرحد یا افغانستان کی ہوتی تھی''(۲)

طلباء کے قیام و طعام اور دیگر ضروریات کی کفالت کے متعلق لکھتے ہیں:

= بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ چاروں طرف سے طالبان علم کا ہجوم رہنے لگا اور اس مدرسہ کی ایسی شہرت ہوئی کہ چنیا پٹن کا نام ہی مدرسہ پڑ گیا، جو بعد میں مدراس ہو گیا اور اب اسے پھر چنئی نام دے دیا گیا ہے، ۱۲؍رجب ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۳؍اگست ۱۸۱۰ء کو مدراس میں ۸۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مسجد شاہی میں دفن ہوئے۔

(۱) مدرسہ عالیہ رامپور ۹

(۲) مدرسہ عالیہ رامپور ۱۰

''طلبہ کے قیام و طعام کی کفالت اہل شہر سے متعلق تھی، ریاست کی طرف سے بھی طلبہ کی ایک خاص تعداد کی وظائف وغیرہ سے امداد ہوتی تھی''۔(۱)

مدرسہ عالیہ کے نامور اساتذہ

جن مشہور اساتذہ علم وفن کے حلقۂ درس یہاں قائم ہوئے، ان کی تعداد بہت ہے؛ لیکن چند حضرات کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، ان میں بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلیؒ(۲)، ملا غیاث الدینؒ(۳)، مفتی سعداللہؒ(۴)، مولانا ارشاد

---

(۱) مدرسہ عالیہ رامپور ۹

(۲) تذکرہ گزر گیا

(۳) تذکرہ گزر گیا

(۴) مفتی محمد سعداللہ صاحبؒ مولانا نظام الدینؒ کے گھر ۱۷/ رجب المرجب ۱۲۱۹ھ مطابق اکتوبر/۱۸۰۴ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے، تاریخ پیدائش لفظ ''ظہور حق'' اور ''بیدار بخت'' سے نکلتی ہے، نجیب آباد میں مولانا عبدالرحمٰن قہستانی سے شرح جامی اور کچھ کتابیں پڑھیں اور مولانا حیات پنجابیؒ، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ، مولانا ظہور اللہ فرنگی محلیؒ، مفتی صدرالدین آزردہؒ، مرزا محمد ہاشم محدث لکھنویؒ، اخوند شیر محمد ولایتیؒ اور مولانا حسن لکھنویؒ وغیرہ سے اکثر درسیات پڑھیں، سفر حج میں شیخ جمال مکی علیہ الرحمہ سے بھی سند حدیث حاصل کی، ۱۲۴۳ھ میں فارغ التحصیل ہو کر ایسا کمال حاصل کیا کہ اس وقت کے جید علماء وفضلاء میں شمار ہونے لگے، لکھنو میں ۲۹ سال مفتی کے عہدے پر فائز رہے، نواب یوسف علی خاں کی التجاء پر رام پور تشریف لے گئے اور وہاں درس وتدریس کے ساتھ عہدۂ قضاء وافتاء پر وفات تک مامور رہے، آپ کی نظم ونثر عربی وفارسی مشہور ہے، آپ کی تصانیف کثیر ہیں، مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور وخلیفہ حضرت تھانویؒ آپ کے پرپوتے ہیں، ۱۴/ رمضان ۱۲۹۴ھ کو رامپور میں وفات پائی اور شاہ بغدادی کے مزار میں دفن ہوئے۔

حسینؒ (۱)، مولانا سید حسن شاہ محدثؒ (۲)، مولانا فضل حق خیرآبادیؒ (۳)، مولانا عبد الحق خیرآبادیؒ (۴)، ملا محمد حسنؒ (۵)، مفتی شرف الدین علویؒ (۶) وغیرہ سرفہرست ہیں۔

(۱) مولوی ارشاد حسینؒ کی ولادت ۱۴/ صفر ۱۲۴۸ھ کو رامپور میں ہوئی، والد کا نام مولوی حکیم احمد حسین ہے، آپ کا سلسلہ نسب مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے، آپ کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے اور دادا غلام محی الدین بریلی سے رام پور آئے، محدث، مفسر، فقیہ اور مدبر کی حیثیت سے آپ کی شہرت تھی، ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بھائی مولوی امداد حسین، مولوی جلال الدین، مولوی نصیر الدین خاں وغیرہ سے حاصل کی لکھنؤ میں کتب منقول پڑھیں، شاہ احمد سعید سے بیعت ہوکر کمالات باطنی حاصل کئے، پیدل آٹھ ماہ میں سفر حج کیا، ایک ضخیم کتاب انتصار الحق بجواب معیار الحق مولوی نذیر حسین محدث دہلوی تصنیف کی، ۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) مولانا سید حسن شاہ محدثؒ کی ولادت رامپور کے محلّہ زینہ عنایت خاں میں غالباً ۱۲۲۶ھ میں ہوئی، والد کا نام سید شاہ محمد ہے، شیخ علی بخشؒ، مفتی شرف الدینؒ، مولوی غفرانؒ، مفتی سعد اللہؒ صاحب وغیرہ سے علوم حاصل کئے، ایک روز خواب میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت ہوئی، فرمایا: جو کرو مجھ سے معلوم کر کے کرو، خواب کے بعد حدیث کا شوق پیدا ہوا، مولانا عالم علی صاحبؒ اسی زمانے میں دہلی سے پڑھ کر مرادآباد تشریف لائے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوکر صحاح ستہ، مؤطا اور امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف پڑھیں، ہمیشہ عسرت کی زندگی بسر کی، مولانا غلام جیلانیؒ سے بیعت تھے، سلسلہ نقشبندیہ میں شاہ احمد سعید مجددیؒ، عبدالغنی شاہ مجددیؒ، شاہ مظہر مجددیؒ، شاہ عبدالمغنی مجددیؒ اور مولوی شاہ عبدالرشید صاحب مجددیؒ سے بھی صحبت تھی، ۲۲/ صفر ۱۳۱۲ھ میں انتقال فرمایا، بغدادی صاحب کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

(۳) تذکرہ گزر گیا۔

(۴) مولوی عبد الحق خیرآبادیؒ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد علامہ فضل حق خیرآبادیؒ سے درسیات معقول اور منقول کی تکمیل کی، خیرآباد، ٹونک، رامپور، کلکتہ اور حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں شاہ اللہ بخش تونسویؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے، آخری عمر میں تصوف وطریقت کی طرف ساری توجہ مبذول ہوگئی تھی، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ غلام یحیی، حاشیہ حمد اللہ، حاشیہ میر زاہد امور عامہ، شرح ہدایۃ الحکمۃ، شرح مسلم الثبوت، شرح کافیہ، شرح سلاسل الکلام، جواہر غالیہ، رسالہ تحقیق تلازم، شرح مرقات، التحفۃ الوزیریہ، =

مدرسہ عالیہ کا نصاب تعلیم

مدرسے کے ابتدائی دور کا نصاب تعلیم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے تمام مروجہ علوم وفنون کا یہاں درس ہوتا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، اصول فقہ، عقائد وکلام، ادب عربی، نظم ونثر، تاریخ، منطق وحکمت اور ریاضیات میں ہندسہ وحساب و ہیئت وغیرہ، بالعموم متأخرین کی کتابیں خصوصاً ہندی، ایرانی اور ازبکستانی علماء کی تصانیف زیر درس رہتی تھیں، مدرسے کا قیام؛ چونکہ بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی کی سربراہی میں ہوا تھا جن کا

= زبدۃ الحکمت، حاشیہ عقائد عضدیہ اور شرح الحواشی الزاہدیہ علی ملا جلال آپ کی مشہور تصانیف ہیں، ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں امراض جگر میں وفات پائی، خیرآباد میں دفن ہوئے۔

(۵) ملا محمد حسن: قاضی غلام مصطفیٰ کے فرزند ہیں، آپ مشہور ومعروف عالم دین اور درس نظامی کے مرتب اول ملا نظام الدین سہالوی کے بھتیجے اور شاگرد رشید تھے، فہم اور حافظہ بہت اچھا تھا اور متبحر عالم تھے، تمام علوم اسلامیہ میں دسترس تھی، خصوصاً علم منطق وحکمت میں تو درجہ امامت پر فائز تھے، شروع میں شاہجہاں پور اور دہلی میں علمی خدمات انجام دیں اور اس کے بعد فرنگی محل میں رہے، نواب فیض اللہ خاں کے زمانہ میں رامپور تشریف لائے اور ''محلّہ مدرسہ'' میں سکونت اختیار کی، ۵۶/ برس تک درس وتدریس سے وابستہ رہے، ملاحسن نے یکے بعد دیگرے کل پانچ عقد کئے، رام پور میں بھی ایک شریف خاندان میں ازدواجی رشتہ قائم کیا تھا اور اس رامپوری بیوی سے ان کے اخلاف اس وقت رامپور میں موجود ہیں، ان کی بہت سی تالیفات ہیں حاشیہ میر زاہد، حاشیہ ملا جلال، حواشی صدرا، شرح مسلم الثبوت، مبادی الحکمت صدرالدین شیرازی، حاشیہ شمس بازغہ، حواشی زواہد ثلاثہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی؛ البتہ شرح سلم کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ اسی کا حصہ ہے، عرف عام میں آپ کے نام سے منسوب کرکے ''ملاحسن'' کہا جاتا ہے، آپ عارف باللہ حصرت اسحاق خاںؒ سے بیعت تھے، شاہ عبد الرزاق ہاشمیؒ نے خلافت سے نوازا، ۸۰/ برس کی عمر میں صفر ۱۱۹۹ھ میں رام پور میں وفات ہوئی، ''محلّہ مدرسہ'' میں نواب محمد علی خاں کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔

(۶) مفتی شرف الدین علوی: پنجاب کے رہنے والے تھے، رامپور آکر علم وفضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ رامپور کے علمائے کرام کا سلسلہ علم آپ پر منتہی ہوتا ہے، نواب سید احمد علی خاں آپ کی نہایت عزت کرتے تھے اور عہدہ قضاء آپ کے سپرد کیا تھا، ان کی تصانیف میں سراج المیزان در منطق، شرح سلم تا لا یحد و لا یتصور اور بعض فتاویٰ مشہور ہیں، تاریخ ولادت ووفات معلوم نہ ہوسکی۔

مشرق سے تعلق تھا اور وہاں منقولات کا ہی بازار گرم تھا؛ اس لیے مدرسہ کے نصاب پر بھی یہ اثر غالب رہا اور روسائے ریاست جن کے ہاتھوں میں سربراہوں کا تقرر تھا اور آخر تک رہا، عقلی مذاق کا لحاظ رکھ کر ہی مدرسہ کے لئے سربراہ کا انتخاب کرتے رہے؛ چنانچہ مدرسہ پر عقلی رنگ ہی چھایا رہا اور یہی اس کی خصوصیت بن گیا، حتیٰ کہ کسی اور حلقہ درس کے اثر کی یہاں گنجائش نہیں رہی، مولانا عبدالسلام خاں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا سلام اللہؒ (۱) اور مولانا نورالاسلامؒ (۲)، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۳) کے اخلاف میں سے تھے اور انہیں سے سند حدیث دیتے تھے؛ لیکن رامپور میں ان کی موجودگی سے بھی مدرسے کے درس پر دہلوی اثر نہیں پڑا'' (۴)

مدرسہ کے درس کی بنیاد شروع سے ہی ملا نظام الدین سہالوی (۵) کے مرتب کئے ہوئے نصاب درس پر تھی، مدرسہ کے اساتذہ بالعموم سہالوی خانوادے سے علمی

---

(۱) مولوی سلام اللہ صاحبؒ: پانچ واسطوں سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے تھے، آپ کا خاندان علماء ومحدثین کا خانوادہ ہے، آپ کے والد شیخ محمد دہلی کے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے اور شارح بخاری اور مصنفین کتب کثیرہ تھے، تمام علوم وفنون اپنے والد اور دیگر علماء عصر سے حاصل کئے، علم حدیث، رجال، تاریخ، لغت اور ادب میں کامل دسترس تھی، عربی زبان میں مطالب علمیہ لکھنے میں ید طولی حاصل تھا، محلی بحل أسرار الموطا عربی میں لکھی جس کا مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے، اس کے علاوہ شرح شمائل ترمذی، رسالہ مناقب اہلبیت بنام خلاصۃ المناقب، کمالین حاشیہ جلالین اور رسالہ اصول حدیث آپ کی علمی یادگار ہیں، ساری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور خدمت دین میں گزاری، دہلی کے حالات سے بددل ہوکر ترک وطن کر کے رامپور جا بسے اور محدث رامپوری کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کا وصال ۵/ جمادی الثانی ۱۲۲۹ھ مطابق مئی/ ۱۸۱۴ء میں ہوا، بغدادی صاحب کے مزار کے احاطے میں مسجد کے قریب جانب جنوب مدفون ہیں۔

(۲) مولوی نورالاسلامؒ: مولوی سلام اللہ محدث رامپوریؒ کے بیٹے اور چند واسطوں سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پوتوں میں سے ہیں، علم طب اور ریاضی میں خاص مہارت تھی، اپنے عہد کے نامور اطباء اور ریاضی داں =

انتساب رکھتے تھے؛ اس لیے اس درس میں کسی انقلابی تبدیلی کا سوال ہی نہ تھا؛ البتہ طلبہ کی ضرورت واستعداد اور اس کے سربراہوں کے ذوق وصوابدید کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہی، اگر چہ اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، خصوصاً جنرل عظیم الدین خاں (۶) کی تنظیم کے بعد نصاب میں وقتاً فوقتاً حذف واضافہ ہوتا رہا ہے۔

= آپ کے شاگرد تھے، متعدد تصانیف کے مخطوطے رضا لائبریری رامپور میں موجود ہیں، رامپور میں انتقال ہوا اور شاہ بغدادی کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی پیدائش محرم/ ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء میں دہلی میں ہوئی، مغلیہ دور میں متحدہ ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین اور محدث تھے، ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے، ۲۲ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے، ۹۹۵ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور کئی سال تک حرمین شریفین کے علماء کبار اور محدثین زمانہ سے استفادہ کیا، بالخصوص شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی صحبت میں علم حدیث کی تکمیل فرمائی، سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ شیخ موسیٰ گیلانیؒ کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا، شیخ نے زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور روحانی رہنمائی میں گزارا، بعض مورخین نے آپ کی تصانیف کی تعداد سو کے آس پاس بتائی ہے، ۲۱/ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

(۴) مدرسہ عالیہ ۱۴

(۵) ملا نظام الدینؒ بن ملا قطب الدین سہالوی بن عبدالحلیم بن عبد الکریم: ملا نظام الدین کی ولادت ۱۰۸۸ھ بمطابق ۲۷/ مارچ ۱۶۷۷ء میں سہالی میں ہوئی، جو صوبہ اتر پردیش ضلع بارہ بنکی کا ایک قصبہ ہے۔ آپ فاضلِ جید، عارف فنون رسمیہ، ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ، فقیہ اصولی تھے۔ آپ کو استاذ الہند، بانی درس نظامی کہا جاتا ہے، آپ کی تصانیف کثیر ہیں: شرح مسلم الثبوت، شرح منار مسمی بہ صبح صادق، حاشیہ صدرا، حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی، حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ بر حاشیہ قدیمہ، شرح تحریر الاصول، حاشیہ شرح عضدیہ، مناقب رازقیہ (فارسی)، شرح مبارزیہ۔ ملا نظام الدین کی وفات ۹/ جمادی الاولیٰ بروز بدھ ۱۱۶۱ھ بمطابق مئی ۱۷۴۸ء بعمر ۷۵ برس ہوئی۔ ''فاضل قدوہ دین ودنیا'' تاریخ وفات ہے۔

(۶) تذکرہ گزر گیا۔

جنرل صاحب کی ہدایت پر ہی مدرسے کے درجات کی تشکیل ہوئی، ہر درجہ کے لئے کتابوں کا تعین ہوا، اور مدرسے کے لیے خصوصی نصاب مقرر ہوا، جو بعض جزوی ترمیموں کے ساتھ ملا نظام الدین سہالویؒ کا ہی مقرر کیا ہوا نصاب تھا۔

مدرسہ عالیہ کے نصاب میں ترمیم کی ابتداء

۱۹۰۰ء میں مدرسہ دارلمہام ریاست کی سرکردگی میں ایک عارضی کمیٹی بنی، جس نے نصاب پر نظر ثانی کی اور دستور عمل تیار کیا، ۱۹۰۹ء میں پھر ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی، اسی وقت درجہ قرأت کا نصاب تجویز ہوا، درجہ حدیث کے ایک سال کے علاوہ چند سالہ نصاب کی تشکیل ہوئی اور درجہ تکمیل کے نام پر ایک مزید درجہ کا اضافہ کیا، اس طرح مدرسہ کا نصاب یازدہ سالہ ہوگیا، ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء میں بھی جزوی ترمیم ہوئی، بعض تحریروں میں ان ترمیموں اور ان میں شامل کتابوں کا ذکر ملتا ہے؛ لیکن یہ مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے، بہرحال یہ مدرسہ جاری رہا، حتیٰ کہ یکم جولائی ۱۹۴۹ء میں ریاست کے انضمام کا وقت آ گیا، اور مدرسہ عالیہ ریاست رامپور کے زیر انتظام ہونے کی وجہ سے یوپی حکومت کے تحت آ گیا، اور اس کی تمام تر ذمہ داری یوپی حکومت کے ذمہ ہوگئی، انضمام کے معاہدے میں اس کی بقاء کے لئے مستقل ایک خاص دفعہ رکھی گئی:

> ''مدرسہ عالیہ (اورینٹل کالج) جو تقریباً سو سال سے
> رامپور کا تعلیمی امتیاز رہا ہے، اس کا انتظام ریاست کے مالیہ
> سے بدستور جاری رہے گا'' (۱)

انضمام ریاست کے بعد مدرسہ عالیہ کی حیثیت محض ایک سرکاری مدرسے کی ہوگئی تھی، مدرسہ بہرحال اب تک باقی تھا اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی جاری تھا؛ لیکن حقیقت

(۱) مینول انگریزی کا اردو ترجمہ مشمولہ ''ماہنامہ ضیائے وجیہہ'' جولائی، اگست ۲۰۰۱ء

ہے کہ گزشتہ سالوں کی طرح اپنے ممتاز علماء کے حلقہ ہائے درس کی کثرت کی وجہ سے ’’بخارائے ہند‘‘ کی حیثیت اب باقی نہیں رہی تھی، مدرسہ زوال پذیر تھا، انحطاط نے اپنے قدم جما لیے تھے، اس انحطاط وتنزل کے اسباب متعدد ہو سکتے ہیں اور ان پر بحث کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن مدرسہ عالیہ کے سابق پرنسپل مولانا عبدالسلام خاں مرحوم نے انحطاط کے جو اسباب تحریر کیے ہیں، ان میں چند وجوہات کو زور دے کر ذکر کیا ہے:

’’۱۔تعلیمی مکتبوں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا کثیر تعداد میں ملک کے ہر ہر ضلع میں قیام اور ان کا روزی روٹی سے براہ راست تعلق۔

۲۔’قدیم عربی دینی مدارس کے ارباب اہتمام کا جدید ضروری مضامین کو شامل نصاب کرنے سے تغافل اور بے اعتنائی، قدیم نصاب میں انقلابی تبدیلی کے لیے تیار نہ ہونا؛ بلکہ مخالفت کرنا۔

۳۔قدیم مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کا ملک کی عملی زندگی میں حصہ لینے کے لیے نا اہل ہونا۔

۴۔ہمارے قدیم فنون سے عام بے رغبتی اور ان کا عام زندگی سے از کار رفتہ ہو چکنا‘‘۔(۱)

مدرسہ عالیہ سے مولانا آزاد کی ہمدردی

ان چند اسباب میں غور کیجئے، سب کا اشارہ ایک ہی طرف ہے یعنی قدیم نصاب کا موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونا، مدرسہ عالیہ سے متعلق

(۱) مدرسہ عالیہ ۳۱

تحریروں اور رودادوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافی مدت سے درس نظامی میں تبدیلی کی بات ہو رہی تھی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور جزوی ترمیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی تھی، اب اس تحریک نے ''اصلاح'' کے نام سے زور پکڑ لیا اور اس کے لئے متعدد اونچے درجے کی کوششیں ہونے لگیں، اس عہد میں چونکہ مولانا ابوالکلام آزاد(۱) مسلم رہنما، علوم اسلامیہ کے نبض شناس اور وزیر تعلیم تھے، مزید یہ کہ آزادی کے بعد رامپور کے پہلے ''ایم پی'' بھی آپ ہی تھے؛ اس لئے سارا زور یہیں صرف کیا گیا اور متعدد مرتبہ مولانا آزاد کو اس اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا، اس کی تفصیل سابق پرنسپل عالیہ کی زبانی سماعت فرمائیں:

> ''مسلسل خطوط کے ذریعے مولانا آزاد کو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا، یہ جاننے کے بعد کہ مولانا کا رویہ مدرسہ کی اصلاح کے بارے میں ہمدردانہ ہے، میں اواخر ۱۹۵۲ء یا اوائل ۱۹۵۳ء میں دلی گیا اور مولانا کی خدمت میں باریابی حاصل کی، مدرسہ کے روز افزوں تنزل کی طرف متوجہ کیا، جس سے مولانا ان عرض داشتوں کی بناء پر جو انہیں وقتاً فوقتاً لکھی گئیں تھیں، پوری طرح واقف تھے، پھر میں نے مولانا سے مدرسے کے مروجہ نصاب کی زندگی سے ناآہنگی دور کرنے اور اس کی اصلاح میں اپنے اثرات استعمال کرنے کی درخواست کی اور اصلاح نصاب کے بارے میں مختصراً اپنا زاویہ نظر بھی واضح کیا''(۲)

(۱) تذکرہ گزر گیا۔
(۲) مدرسہ عالیہ ۳۲

اصلاح نصاب کی کمیٹی میں مولانا سیوہارویؒ کی شرکت

اس انقلابی اصلاحی کوشش کو بروئے کار لانے کے لیے یہ صورت پیش کی گئی کہ مدرسہ عالیہ کو یوپی کے محکمہ تعلیم سے نکال کر مرکز یعنی دہلی اپنے تحت لے لے، اسی صورت میں بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے اور اس کے نصاب میں انقلابی تبدیلی لائی جاسکتی ہے، مولانا آزاد نے مدرسہ کو مرکز سے متعلق کرنے کو مناسب نہیں سمجھا؛ لیکن یہ مان لیا کہ یوپی کے محکمہ تعلیم کے تحت عام اداروں کے انداز نظم سے اس کو جدا ہونا چاہیے اور وعدہ کرلیا کہ حافظ ابراہیم صاحب (۱) (جو اس زمانے میں یوپی اسمبلی کے رکن تھے) کے ذریعے اس سلسلے میں یوپی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کردیں گے، اسی زمانے میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کے تقرر کا مسئلہ بھی مختلف فیہ چل رہا تھا، مولانا آزاد کا کہنا تھا کہ مدرسے کی بقاء کے لیے اصل مسئلہ مناسب پرنسپل کا ہے؛ اگر مناسب تقرر ہو جائے تو نصاب کی اصلاح اور اس کا نفاذ دونوں ہو جائیں گے؛ چنانچہ مولانا آزاد نے حافظ صاحب کو یوپی اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ بورڈ کے لئے اپنی طرف سے ان پانچ افراد کا نام بھی تجویز فرمادیا:

(۱) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۲) مولانا امتیاز علی خاں عرشی (۲)

---

(۱) حافظ محمد ابراہیم ۱۸۸۹ء میں نگینہ کے محلّہ قاضی اول میں پیدا ہوئے، اعلی تعلیم علی گڑھ یونیورسٹی سے حاصل کی، انڈین نیشنل کانگریس کے رہنما تھے، آزادی کی جدو جہد میں جیل گئے، آزادی کے بعد بجلی اور آبپاشی کے مرکزی وزیر بھی رہے، آخر میں پنجاب کے گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، جنوری ۱۹۶۸ء میں وفات ہوئی۔

(۲) مولانا امتیاز علی عرشیؒ ۱۹۰۴ء میں رام پور میں پیدا ہوئے، رامپور پٹھانوں کی بستی ہے جو افغانستان کے مختلف قبیلوں سے منسوب ہے، مرحوم کا خاندانی تعلق حاجی خیل قبیلے سے تھا، جو یوسف زئی قبیلے کی ایک شاخ ہے، ابتدائی تعلیم ''مطلع العلوم'' نامی مقامی مدرسہ میں پائی، پنجاب یونیورسٹی اور اورینٹل کالج لاہور سے عالم فاضل کا امتحان پاس کر کے مدرسہ عالیہ رامپور میں اعلی تعلیم کے لئے داخلہ لیا اور اسی سے =

(۳) مولانا سعید اکبر آبادی (۱)(۴) مولانا عبدالواجد بریلوی (۲)(۵) شہری حلقہ کے منتخب ایم ایل اے محمود علی خاں (۳)، مولانا آزاد کی وفات کے بعد یو پی ایجوکیشن

= سند فراغ حاصل لی، ۱۹۳۲ء میں رامپور کے مشہور زمانہ "رضا لائبریری" سے بحیثیت ناظم وابستہ ہو گئے، لائبریری سے ان کی وابستگی آخری سانس یعنی کم وبیش نصف صدی تک رہی، حقیقت یہ ہے کہ عرشی صاحب کو لائبریری کے ساتھ محبت نہیں عشق تھا، انہوں نے اپنی زندگی کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر کے اس کتب خانے کو ہندوستان کے لئے سرمایہ افتخار بنا دیا، دوسری طرف لائبریری نے بھی عرشی صاحب کو ایسا چمکایا اور جگمگایا کہ ان کا شمار عربی فارسی اور اردو کے بلند پایہ محققین اور مبصرین میں ہونے لگا، مرحوم کی شہرت کا آغاز اول غالبیات کے ماہر کی حیثیت سے ہوا، انھوں نے غالب کے دیوان اور خطوط پر جو تحقیقی مقالات لکھے، انہوں نے اردو زبان وادب میں دھوم مچا دی، رضا لائبریری کے مخطوطات کی تشریحی فہرست جواب تک متعدد جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، آپ کا عظیم کارنامہ ہے ۲۵/فروری ۱۹۸۱ء میں رامپور میں وفات پائی۔

(۱) مولانا سعید اکبر آبادیؒ کی پیدائش رمضان المبارک/ ۱۳۲۶ھ مطابق ۸/نومبر ۱۹۰۸ء کو بروز جمعہ اکبر آباد آگرہ میں ہوئی، ان کے والد محمد ابرار حسین کا شمار آگرہ کے بااثر رؤسا میں ہوتا تھا، پیشے سے سرکاری ڈاکٹر تھے، ابتدائی تعلیم مولوی خورشید علی سے گھر پر ہی حاصل کی، جن کو مفتی اعظم دارالعلوم مفتی عزیز الرحمان عثمانیؒ نے اتالیق کی حیثیت سے دیوبند سے بھیجا تھا، مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں کچھ وقت تعلیم حاصل کی؛ البتہ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی جہاں اپنے دور کے مایہ ناز اساتذہ فن سے علم حاصل کیا، شروع میں دارالعلوم دیوبند میں ہی مدرس ہوئے، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات، مدرسہ عالیہ فتحپور دہلی، مدرسہ عالیہ کلکتہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے سربراہ ہوئے، اپنے احباب کے ساتھ ادارہ دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی اور یہیں سے معروف ومشہور رسالہ "برہان" آپ کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا، آپ کی تحریریں اس قدر صاف واضح، پرمغز، پرجوش اور ولولہ انگیز ہوتی تھیں کہ رسالہ کی ایک الگ شان قائم ہو گئی تھی، مولانا کی کتابوں کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے، آخر عمر میں کینسر کا شکار ہو گئے تھے اور ۲۴/مئی ۱۹۸۵ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور وہی مدفون ہوئے۔

(۲) مولانا عبدالواجد بریلی کے رہنے والے تھے، اسلامیہ انٹر کالج بریلی کے مینیجر تھے، ۱۴/مئی ۱۹۷۴ء میں وفات ہوئی، بقیہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۳) محمود علی خاں: رامپور کے شہری حلقہ سے ایم ایل اے رہے، ۱۹/جنوری ۱۹۶۳ء میں وفات پائی، بقیہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ڈائریکٹوریٹ نے اس میں آگے آنے والے مزید چھ ناموں اور بعد میں یوپی حکومت نے انسپکٹر مدارس عربیہ کی حیثیت سے شبیر احمد خاں غوری(۱) کا اضافہ کردیا(٦) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (۲) (۷) ڈاکٹر وحید مرزا (۳) (۸) مفتی محمد حفیظ اللہ علیگڑھی (۴) (۹) مولانا وجیہ الدین خاں (۵) (۱۰) ڈاکٹر مجتبیٰ حسن (٦) (۱۱) حکیم محمد احمد خیری (۷)؛ لیکن مولانا آزاد کی وفات ۱۹۵۸ء تک کسی وجہ سے یہ قرارداد یوپی اسمبلی میں پیش نہ ہوسکی۔

---

(۱) شبیر احمد خاں غوری: کے والد کا نام غیاث الدین خاں غوری ہے ۱۵/ مارچ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے، عربی، فارسی، اردو اور ریاضیات میں ایم اے کیا، ۱۹۴۲ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں لیکچر رہوئے، اس کے علاوہ دہلی یونیورسٹی اور اجمل خاں طبیہ کالج میں ریسرچ آفیسر کے عہدے پر بھی مامور رہے، عربی ادب، اسلامیات، ہیئت، فلسفہ ریاضیات آپ کے خاص موضوع ہیں اور ان موضوعات پر تقریباً ایک ہزار خالص تحقیقی مقالات منظر عام پر آچکے ہیں، علی گڑھ میں وفات پائی۔

(۲) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی: کی پیدائش سندیلہ ضلع ہردوئی میں ۲٦ دسمبر ۱۸۸۵ء میں ہوئی، ملک اور بیرون ملک جرمنی وغیرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، آپ ماہر لسانیات، محقق و معلم ہیں اور ان چند محققین میں شمار ہوتے ہیں جو جدید لسانیات، املاء، الفاظ کے ماخذ و اشتقاقیات، تحقیقی طریقہ کار اور تاریخ سمیت قدیم اور جدید زبانوں میں مہارت رکھتے تھے، موصوف عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت، انگریزی، لاطینی، جرمن، عبرانی، ترکی اور سریانی زبانوں سے بھی واقف تھے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی عثمانیہ یونیورسٹی اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر رہے، عبدالرشید ٹھٹوی کی عربی و فارسی کی دو لغات پر آپ کی قابل قدر تحقیق اور مقالات کا مجموعہ ''مقالات صدیقی'' شائع ہوچکے ہیں، ۲۸/ جولائی ۱۹۷۲ء میں الہ آباد میں وفات پائی۔

(۳) ڈاکٹر وحید مرزا: ایک عرصے تک لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے، امیر خسرو پر ان کی کتاب جوان کے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے، اب تک اس موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، لکھنؤ یونیورسٹی سے سبکدوش ہونے کے بعد لاہور چلے گئے تھے اور اردو انسائیکلوپیڈیا اسکیم سے وابستہ ہوگئے تھے اور وہیں ۱۹۷٦ء میں وفات پائی۔

(۴) مفتی محمد حفیظ اللہ علیگڑھیؒ علی گڑھ کے رہنے والے تھے، ۱۹٦۳ء میں وفات ہوئی، بقیہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۵) مولانا وجیہ الدین احمد خاںؒ: کے والد کا نام عزیز الرحمٰن خاں ہے، ۱۳/ جولائی ۱۸۹۹ء کو رام پور میں پیدا ہوئے، مدرسہ عالیہ سے ۱۹۲۱ء میں سند فراغت حاصل کی، کہا جاتا ہے کہ کچھ مدت =

مجوزہ نصاب کا مسودہ اراکین کی خدمت میں

مولانا آزاد کے انتقال کے بعد؛ چونکہ آخری سہارا حافظ ابراہیم ہی کی ذات تھی، انہی کو مولانا آزاد نے مجوزہ کمیٹی کے ارکان کی فہرست دی تھی، حافظ صاحب اب وزیر ہو کر مرکز میں پہنچ گئے تھے، چنانچہ بار بار کی یاددہانی کے بعد انہوں نے وہ فہرست یوپی حکومت کو بھیج دی اور نصاب کی اصلاح یا تبدیلی پر ایک عارضی بورڈ کی منظوری ہوگئی۔

نصاب کمیٹی کا اجلاس ۲۶/ نومبر ۱۹۵۹ء کو ہوا، تمام ارکان کے ساتھ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بھی شرکت کی اور آپ کی رائے پر نصاب کا مسودہ تیار کرنے کا کام مولانا عبدالسلام خاں (۸)، شبیر احمد خاں غوری، مولانا وجیہ الدین احمد خاں اور محمود علی خاں کے سپرد کیا گیا اور مولانا امتیاز علی عرشی کو کنویز بنایا گیا، ۱۱، ۱۲ اور ۱۷/ اپریل ۱۹۶۰ء کو اس مسودے پر بحث وتمحیص ہوئی اور بعض جزوی ترمیم کے ساتھ اس نصاب کو کمیٹی نے منظور کرلیا اور اس کے مسودہ کی ایک ایک کاپی بقیہ ارکان کے

= دارالعلوم میں بھی علم حاصل کیا، مختلف مدارس میں درس دیا، جامع مسجد رامپور کے امام رہے، ۱۹۵۰ء میں اپنے پیرومرشد مولوی وزیر محمد خاں کے مزار میں ایک مدرسہ موسومہ ''مدرسہ فرقانیہ'' قائم کیا، محدث اور فقیہ تھے، خطیب اعظم کے لقب سے مشہور ہوئے، ۲۵/ جون ۱۹۸۷ء کو انتقال ہوا، اور رام پور میں مدفون ہوئے۔

(۶) ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کی وفات ۱۹۸۵ء میں ہوئی، بقیہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۷) حکیم محمد احمد خیری کی وفات ۱۹۹۵ء میں ہوئی، بقیہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۸) مولانا عبدالسلام خاںؒ کی پیدائش ۱۹۱۷ء کو گھیر یوسف خاں رام پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مطلع العلوم رامپور میں حاصل کی، ۱۹۳۱ء میں مدرسہ عالیہ سے اول درجہ میں پاس ہوئے اور وہیں مدرس ہوگئے، ۱۹۷۵ء میں پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے، متعدد تصانیف اور تراجم علمی یادگار چھوڑے ہیں۔

پاس غور وخوض کے لیے بھیج دی گئی۔

اب حکومت کے ڈائریکٹر تعلیمات کی ذمہ داری تھی کہ بورڈ کا اجلاس طلب کرے اور بورڈ کے ارکان اس مجوزہ نصاب پر بحث وتمحیص کریں؛ لیکن بار بار تحریری اور زبانی یاددہانیوں کے باوجود بورڈ کا اجلاس طلب نہیں کیا گیا اور مدرسہ عالیہ کے نصاب کی اصلاح وترمیم کا دروازہ بند ہوگیا۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اپنے عہد کے اہل علم وفن، اصابت رائے، قدیم ومشرقی علوم کے جانکار اور ماہر تھے، آپ کی بے شمار تحریریں آج بھی موجود ہیں جن میں آپ کی فضیلت علم کی شہادت موجود ہے، آپ کی تصانیف میں ''قصص القرآن'' کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ طلوع اسلام کے بعد سے اب تک انبیاء کے حالات، اگلی قوموں کے احوال اور تاریخی روایات پر نقد وتبصرہ کے لحاظ سے ایسی کتاب اردو زبان میں وجود میں نہیں آئی، جس میں مصادر شریعت قرآن وحدیث اور تاریخ کے علاوہ پہلی شریعتوں کی کتابوں سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے، آپ کی مسلم قیادت اور اصابت رائے آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد کے حالات کے پس منظر میں جمعیۃ علماء ہند کے فیصلے، تجاویز اور اقدامات میں صاف نظر آتی ہے، آپ ہر لحاظ سے صف اول کے قائد اور ممتاز دانشور اور لائق اتباع اہل علم وکمال میں سے تھے، خود زیر بحث موضوع میں غور کیجئے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے جو پانچ افراد کے نام تجویز فرمائے تھے، ان میں آپ سرفہرست ہیں، یہ بات صحیح ہے کہ اس مجوزہ نصاب کو مرتب کرنے میں مجاہد ملت براہ راست شامل نہیں ہے؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس اصلاح ترمیم کے لئے کمیٹی مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی موجودگی میں ہی بنی تھی۔

مجوزہ نصاب کے بارے میں مولانا سیوہارویؒ کی رائے

ممکن ہے کہ نصاب کی اصلاح و ترمیم کے دوران بورڈ کے دیگر ارکان بالخصوص مولانا سیوہارویؒ سے گفت وشنید اور صلاح ومشورہ ہوتا رہا ہو، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مجوزہ نصاب میں ''کتب برائے مطالعہ'' کے عنوان میں کئی جگہ مولانا سیوہارویؒ اور بورڈ کے دوسرے اہم رکن مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کی تصانیف کو شامل کیا گیا ہے اور اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا سیوہارویؒ کی خدمت میں اس مجوزہ نصاب کا مسودہ پہنچ چکا تھا اور آپ کی نظر سے گزر بھی چکا تھا، آپ کی طبیعت، مزاج، ہمت و جرأت اور منصب و ذمہ داری سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اختلاف یا تردید کے لئے آپ بالکل آزاد تھے، جب کہ یہ ساری ترتیب آپ ہی کی مرتب کردہ ذیلی کمیٹی نے انجام دی تھی، مجاہد ملت کی کسی طرح کی تردید یا تنقید نہ تو ذیلی کمیٹی تک پہنچی اور نہ ہی کسی اور ذریعہ سے اس کا علم ہوا، تو یہی کہا جائے گا کہ آپ اس مجوزہ نصاب سے اتفاق رکھتے تھے، کمیٹی کی یہ بات قابل توجہ ہے، لکھتے ہیں:

> ''نصاب کے مسودے پر بورڈ کا اجلاس نہ طلب کئے جانے کی وجہ سے بورڈ کے ارکان کا تاثر باضابطہ تو نہیں معلوم ہو سکا اور بہ ترمیم یا بلا ترمیم، بہ اتفاق یا بہ اختلاف نصاب منظور نہ ہو سکا؛ تاہم چونکہ کسی رکن نے اس پر نقد نہیں کیا اور نہ کسی نے شخصی اور انفرادی طور پر اس میں کسی ترمیم وحذف و اثبات کے متعلق لکھا، تو میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم یہ نصاب ناقابل قبول نہیں سمجھا گیا'' (۱)

---

(۱) مدرسہ عالیہ ۳٦

مجوزہ نصاب کی ترتیب

اس جدید نصاب مجوزہ سے پہلے مدرسہ عالیہ چار شعبوں کا مجموعہ تھا، (۱) شعبہ نظامی، (۲) شعبہ درجات تحتانیہ، ابتدائی و وسطانی، (۳) شعبہ غوثیہ، (۴) شعبہ درجات الہ آباد بورڈ برائے امتحانات عربی و فارسی، پیش نظر مجوزہ نصاب تعلیم پہلے تین شعبوں پر محیط ہے، آخری شعبہ کا نصاب بحث سے خارج کر دیا گیا اور اس جدید نظام میں شعبوں کے اختلاف اور تعدد کو ختم کر کے ایک مسلسل وحدت کو متعدد تدریجی مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور لازم و اختیاری میں تقسیم کر کے مضامین میں کثرت پیدا کر کے زندگی کے مختلف شعبوں میں مفید بنانے کا دعوی کیا گیا ہے۔

اس ترتیب جدید میں قدیم مشرقی اور موجودہ جدید مکاتب و مدارس اور جامعات کے نظام تعلیم کو سامنے رکھا گیا ہے، ساتھ ہی یوپی گورنمنٹ کے اس وقت کے مقررہ کردہ عربی و فارسی نصاب سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی ہے؛ تاہم عربیات کے قدیم درس میں غور و خوض کے بعد مدرسہ عالیہ کے مروج نصاب کو بنیاد بنا کر اور بعض جزوی حذف و اضافہ کر کے نصاب کے موجودہ خاکے میں ہی کھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مدرسے کے قدیم شعبہ غوثیہ کو نئی ترتیب میں بنیادی مکتب کی حیثیت دی گئی ہے، اس کی روایتی تعلیم ناظرہ خوانی اور حفظ قرآن کے ساتھ اردو، ہندی، ریاضی اور ورزش جسمانی کو ضروری مضامین قرار دیے گئے ہیں، اس کی ترتیب میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ اس سے فارغ ہونے والے طلباء مدرسے کے وسطانی درجات کے علاوہ جونیئر کلاسز میں بھی داخلہ لے سکیں، اس کے آخری دو سالوں میں فارسی کو اردو زبان کے تکملہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

مدرسہ عالیہ کا شعبہ درجات وسطانیہ جو اصلاً فارسی کی اعلیٰ تعلیم اور عربی کے درس کے لیے زینہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کے مستقل نصاب میں ترمیمیں کر کے درجات وسطانیہ جونیئر کلاس کے معیار تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کو پوری تعلیم میں وسطانی مرحلہ بنایا گیا ہے، اس مرحلے میں عربی کو لازم کر کے طلبہ کے اذہان کو اعلیٰ عربی تعلیم کے لیے تیار کیا گیا ہے، اختیاری مضمون میں قرأت کا اضافہ کیا گیا ہے، نقاشی، خطاطی، صحافت یا جلد بندی کو بھی پیشہ وارانہ مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔

شعبہ نظامی جو دس سال ہوا کرتا تھا، اس کا عام درس ہشت سالہ کر دیا گیا اور دو سال تخصص کے لیے رکھ کر اس طرح دس سال پورے کر کے اس کو مستقل مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اس کے اختیاری مضامین میں خطاطی اور نقاشی کے ساتھ طب کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

علامہ یا تخصص کے لیے دو سال مزید رکھے گئے ہیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ اگر چاہیں تو ہندوستان میں عربی، فارسی اور اردو کے سب سے بڑے ذخیرے ''رضا لائبریری رامپور'' سے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں فائدہ اٹھا سکیں اور کسی خاص موضوع پر محققانہ نظر پیدا کر سکیں۔

درس نظامی اور مجوزہ نصاب

اس مجوزہ نصاب اور قدیم نصاب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد اصولاً درس نظامی ہی ہے اور بالعموم اسی کی مروجہ درسی کتب کا انتخاب کیا گیا ہے، اگر کہیں غیر مروج کتابوں کو شامل کیا گیا ہے، تو اس کا مقصد تسہیل یا اختصار یا فن کا زیادہ بہتر طور پر احاطہ ہے، ملا نظام الدین سہالویؒ کے مرتب کئے ہوئے قدیم درس

نظامی میں شامل کتابوں کی تعداد حساب، ہندسہ اور ہیئت کو شامل کر کے ۳۸/ اور خارج کر کے ۳۳ ہے، ان ۳۳/ میں سے مجوزہ نصاب میں ۱۵/ کتابیں شامل ہیں اور گیارہ کے بدل دیگر مروج اور بعض غیر مروج کتابوں کی شکل میں موجود ہیں؛ بہرحال جدید ترتیب کرنے والی کمیٹی نے اس مجوزہ نصاب کے نہایت مفید، جامع اور دوررس نتائج کا حامل ہونے کا دعوی کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس بورڈ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۷/ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں اس کے نصاب کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے جو سب کمیٹی بنائی تھی، اس نے مدرسے کی تاریخی اہمیتوں، ماضی کی شاندار روایتوں اور مستقبل کے متوقع ترقیوں کے پیش نظر اس کے شایان شان ایک جامع نصاب تجویز کیا ہے، جو اگر بروئے کار آ گیا، تو غالباً برعظیم ہندوستان کا یہ سب سے قدیم تعلیمی ادارہ آزاد بھارت کی قومی حکومت کے تحت نہ صرف یہ کہ قدیم مشرقی علوم کا سب سے بڑا مرکزی ادارہ ہوگا؛ بلکہ ہندو پاک مشرقی مراکز تعلیم کے لئے قابل تقلید نمونہ بھی ہوگا اور اس طرح مشرقیات کی تاریخ تعلیم میں ایک اہم موڑ ثابت ہوگا'' (۱)

مجوزہ نصاب کا نقشہ

یہ مجوزہ نصاب کے ترتیب کی مختصر تفصیل تھی، اب اصلاح وترمیم شدہ نصاب کا نقشہ پیش خدمت ہے، ہوسکتا ہے کسی صاحب ذوق کے لیے مفید ہو:

(۱) رپورٹ سب کمیٹی مشمولہ مدرسہ عالیہ ۴۲

مجوزہ نصاب

مدت تعلیم و مضامین نصاب

مرحلہ ابتدائیہ

مدرسہ عالیہ (گورنمنٹ اورینٹل کالج) رامپور کے ابتدائی مرحلے کی مدت تعلیم آٹھ سال ہوگی۔

یہ ہشت سالہ مدت تعلیم دو موقفوں پر تقسیم ہوگی۔

(الف) غوثیہ پانچ سال۔

(ب) درجہ وسطانیہ تین سال۔

درجات غوثیہ کے مضامین

غوثیہ میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

(الف) لازم مضامین:

(۱) اردو مع ہندی (اردو ابتدائی تین سالوں میں اور ہندی آخری تین سالوں میں) (۲) ریاضی (حساب) (۳) ورزش جسمانی۔

(ب) اختیاری مضامین (کوئی تین):

(۱) حفظ قرآن مجید (تین مضامین کے برابر) (۲) دینیات، (۳) ابتدائی فارسی (صرف آخری دو سالوں میں) (۴) معاشرتی علوم (تاریخ، جغرافیہ، بلدیات)

(۵) عام سائنس۔

درجات غوثیہ کا تفصیلی نصاب

درجات غوثیہ کے خصوصی مضامین دینیات، اردو، فارسی کا تفصیلی نصاب بعض ناگزیر اور جزئی ترمیموں کے ساتھ وہی ہوگا جو یوپی گورنمنٹ کی مقرر کی ہوئی عربی و فارسی کمیٹی نے مدارس اوّلیہ کے لیے تجویز کیا ہے۔

درجات وسطانیہ کے مضامین

درجات وسطانیہ میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

(الف) لازم مضامین:

(۱) عربی ودینیات (مخلوط)، (۲) ہندی مع سنسکرت، (۳) ریاضی (حساب، ہندسہ، جبر ومقابلہ) (۴) عام سائنس، (۵) معاشرتی علوم (تاریخ، جغرافیہ، بلدیات) (۶) ورزش جسمانی۔

(ب) اختیاری مضامین (کوئی دو):

(۱) فارسی، (۲) قرأت، (۳) حفظ صحت، (۴) مبادئ تجارت، (۵) حرفہ (خطاطی، نقاشی، صحافی، خیاطی یا نجاری میں سے ایک) (۶) انگریزی۔

درجات وسطانیہ کا تفصیلی نصاب

دینیات وعربی مخلوط (لازم):

درجہ ششم: قرآنی ریڈر حصہ اول (عقائد مخلوط) قواعد اور ترجمتین کی مشق کے ساتھ، مأۃ عامل منظوم (حفظ) رحمت عالم۔

درجہ ہفتم: قرآنی ریڈر حصہ دوم (عقائد مخلوط) قواعد اور ترجمتین کی مشق کے

ساتھ، کتاب النحو، کتاب الصرف (منتخبہ مسائل)، دروس التاریخ الاسلام حصہ دوم۔

درجہ ہشتم: انتخاب پارہ عم قواعد، ترکیب اور ترجمتین کی مشق کے ساتھ، شرح مأۃ عامل، کتاب الصرف (بقیہ حصہ)، دروس التاریخ حصہ سوم، نور الایضاح (اردو ترجمہ)۔

قرأت (اختیاری)

درجہ ششم: اصول مخارج، مخارج حروف، صفات حروف، (عارضہ، لازمہ، متضادہ، غیر متضادہ، ممیّزہ) مشق۔

درجہ ہفتم: تفخیم و ترقیق، تنوین ونون ساکن، میم ساکن، غنّہ، اخفاء و اظہار، ادغام ہمزتین متحرکتین وہمزہ وصل، حرکات واجتماع ساکنین، مشق۔

درجہ ہشتم: مد، وقف، امالہ، روم واشمام، سکتہ، لحن وزلۃ القاری، مشق، قرآن مجید کا دور باجراء قواعد۔

خیاطی (اختیاری بذیل حرفہ)

درجہ ششم: مفردات کی مشق۔

درجہ ہفتم: جلی مرکبات کی مشق۔

درجہ ہشتم: خفی مرکبات کی مشق اور کاپی نویسی

نقاشی (اختیاری بذیل حرفہ)

درجہ ششم: معمولی پھول پتی اور بیلوں کی پنسل سے نقل۔

درجہ ہفتم: پھول پتی اور بیلوں میں مناسب رنگ بھرنا، بیل بوٹے اور پھول پتیاں ازخود بنانے کی مشق۔

درجہ ہشتم: رنگ، ان کا امتزاج اوران کے مناسب استعمال کی مشق۔

مرحلہ عالیہ

مدرسہ عالیہ کے عالی مرحلے یا نظامی درس کی مدت تعلیم آٹھ سال ہوگی، درجہ تخصص کے دو سال مزید ہوں گے۔

یہ ہشت سالہ تعلیم چار موقفوں پر تقسیم ہوگی:

(۱) لائق: دو سال، (۲) مولوی: دو سال، (۳) عالم: دو سال، (۴) فاضل: دو سال۔

درجات لائق کے مضامین

(۱) درجہ لائق میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

(الف) لازم مضامین:

(۱) دینیات، (۲) ہندی، (۳) عربی ادب۔

(ب) اختیاری مضامین (کوئی تین):

(۱) ریاضی (لازم برائے طلبہ سائنس)، (۲) تاریخ، (۳) جغرافیہ، (۴) بلدیات، (۵) طب، (۶) اقتصادیات، (۷) سائنس (طبعیات و کیمیا، نباتیات وحیوانات-دو مضمون)، (۸) مبادی تجارت-دو مضمون، (۹) حرفہ (خطاطی یا نقاشی یا صحافی یا خیاطی یا نجاری-دو مضمون)، (۱۰) انگریزی۔

درجات لائق کا تفصیلی نصاب واہم مضامین

دینیات وعربی ادب (لازم):

درجہ نہم، درجہ دہم: قرآن مجید (منتخب سورتیں)، عقیدہ حسنہ، قدوری (بحذف ابواب غیر ضروریہ) ازھار الادب، ہدایت النحو، ترجمتین۔

طب (اختیاری):

موجز، کتاب الادویہ از حکیم کبیر الدین، تشریح کبیر (حصہ اول)، منافع کبیر (نصف اول)

خطاطی (اختیاری بذیل حرفہ):

کاپی نویسی اور خط نسخ کی تعلیم اور مشق

نقاشی (اختیاری بذیل حرفہ):

کتابوں کے حاشیے، محرابیں اور لوحیں بنانا، اعلی اور پیچیدہ بیل بوٹوں کی مشق اور معمولی خوش نما نمونوں کا اختراع اور ان میں رنگ بھرنا۔

درجات مولوی کے مضامین

(۲) درجہ مولوی میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوگی:

(الف) لازم مضامین:

(۱) دینیات، (۲) ہندی، (۳) مبادی منطق و فلسفہ (بشرطیکہ اختیاری میں مبادی تجارتی یا سائنسی یا حرفہ نہ ہو)، (۴) عربی ادب (بشرطیکہ اختیاری میں سائنس نہ ہو)۔

(ب) اختیاری مضامین (کوئی ایک):

(۱) تاریخ، (۲) جغرافیہ، (۳) ریاضی، (۴) بلدیات، (۵) اقتصادیات، (۶) نفسیات، (۷) اصول تعلیم، (۸) انگریزی، (۹) طب، (۱۰) سائنس (طبیعیات، کیمیا، حیاتیات، ریاضی، فنون حرب میں سے تین)، (۱۱) مبادی تجارت (اقتصادیات، جغرافیہ، ریاضی و تاریخ میں سے کسی ایک کے ساتھ)، (۱۲) حرفہ (خطاطی یا نقاشی یا صحافی یا خیاطی یا نجاری)۔

درجات مولوی کا تفصیلی نصاب

دینیات وعربی ادب ومبادی منطق وفلسفہ (لازم):

درجہ یازدہم: تفسیر جلالین (نصف اول)، عقائد نسفی، کنز الدقائق (بحذف ابواب منتخبہ)، سراجی، انتخاب نظم ونثر عربی۔

درجہ دوازدہم: کافیہ (بحث فعل وحرف)، دروس البلاغہ، ترجمتین، المنطق الحدیث والقدیم، زبدۃ الحکمت، شریفیہ (بامدادرشیدیہ)۔

طب (اختیاری):

کلیات نفیسی، تشریح کبیر (حصہ ثانی)، منافع کبیر (نصف ثانی)، کتاب الادویہ، شرح اسباب۔

خطاطی (اختیاری بذیل حرفہ):

نسخ ونستعلیق کتبات کی مشق اصول خطاطی کے ساتھ۔

نقاشی (اختیاری بذیل حرفہ):

نمونوں کی اختراع اور مشق، مناظر بنانا اور رنگ بھرنا، پرانے کام کی مشق اور سونا گھولنا اور اس کا استعمال کرنا۔

درجات عالم کے مضامین

(۳) عالم میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم ہوئی ہوگی:

(الف) لازم مضامین:

(۱) دینیات، (۲) منطق وفلسفہ قدیم، (۳) عام انگریزی، (۴) ہندی۔

(ب) اختیاری مضامین (کوئی ایک):

(۱) فلسفہ (جدید)، (۲) تاریخ، (۳) ریاضی، (۴) جغرافیہ، (۵) سیاسیات، (۶)

اقتصادیات، (۷) اجتماعیات، (۸) نفسیات، (۹) اصول تعلیم، (۹) انگریزی ادب (۱۱) عربی ادب، (۱۲) اردو ادب۔

درجات عالم کا تفصیلی نصاب

دینیات و منطق و فلسفہ قدیم (لازم)

درجہ سیزدہم: تفسیر مدارک (نصف آخر)، مشکوۃ شریف مع رسالہ عبدالحقؒ، شرح عقائد النسفی، شرح وقایہ اولین

درجہ چہاردہم: نورالانوار، سلم العلوم، میبذی (مـا یـعـم الاجسـام و الالھیات)

عربی ادب (اختیاری):

المجتنیٰ، دیوان ابو العتاھیہ (انتخاب)، ابن عقیل، مختصر المعانی، الوسیط۔

درجات فاضل کے مضامین

(۴) درجہ فاضل میں دینیات، عربی ادب، عقلیات، تاریخ اسلام وغیرہ میں سے کسی ایک مضمون کا لینا ضروری ہوگا۔

درجات فاضل کی تقسیم

مجوزہ نصاب میں درجہ فاضل کے لئے دوسال رکھے گئے ہیں؛ لیکن مضمون کے اعتبار درجہ فاضل کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (۱) درجہ فاضل دینیات (۲) درجہ فاضل ادبیات (۳) درجہ فاضل عقلیات (۴) درجہ فاضل تاریخ اسلامی، (اس کو ایک سال کا رکھا گیا ہے)

درجات فاضل دینیات کا تفصیلی نصاب

درجہ پانزدہم: تفسیر بیضاوی (سورہ بقرہ) بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی

شریف، ابوداؤد شریف۔

درجہ شانزدہم: شرح نخبۃ الفکر، شرح فقہ اکبر للماتریدی، توضیح تلویح (از ابتداء تا بحث عام و مقدمات اربع)، ھدایہ آخرین۔

درجات فاضل دینیات میں کتب برائے مطالعہ:

ارض القرآن، تاریخ تدوین حدیث، قصص القرآن، تاریخ اصول فقہ، مذاھب اسلام، دین و دولت، سائنس اور اسلام، رسالہ اہل السنّت والجماعت، بستان المحدثین، الفوز الکبیر، حجۃ اللہ البالغہ۔

درجات فاضل ادبیات کا تفصیلی نصاب

درجہ پانزدہم: مقامات بدیع (۷ مقامے) البیان و التبیین (انتخاب) مختار العقد (انتخاب) الکامل (انتخاب)۔

درجہ شانزدہم: معلقات سبعہ، کتاب الحماسہ (باب الحماسہ) مختارات (از صفحہ ۱۶۰ تا ۲۰۲) مجموعۃ النظم (شوقی و حافظ) کتاب الصناعتین، الکافی، تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ للزیات

درجات فاضل ادبیات میں کتب برائے مطالعہ:

الادب الجاھلی، تاریخ اللغات السامیہ، محیط الدائرہ، اصول النقد الادبی لاحمد الشائب۔

درجات فاضل عقلیات کا تفصیلی نصاب

درجہ پانزدہم: حمد اللہ، قاضی مبارک، شمس بازغہ، (از ابتدا تا باب ثانی و بحث زمان) مباحث مشرقیہ (بحث مکان و حرکت۔

درجہ شانزدہم: کتاب المعتبر الجزء الثانی (جزءرابع وخامس)، شرح اشارات للطوسی (نمط رابع وخامس وسادس) شرح ھیاکل النور (منتخب مباحث)، المدخل الی الفلسفه،علم الاخلاق از میکنزی ،نفسیات از جیمس، تاریخ فلسفہ یورپ از تھافتہ الفلاسۃ۔

درجات فاضل عقلیات میں کتب برائے مطالعہ:

فلسفہ اسلام از لطفی جمعہ، سیرت النبی جلد ثالث (بحث امکان معجزہ) رسالہ مذہب وعقل از عبدالباری، نظریہ خیروشر از رشڈول، تاریخ فلسفہ جدید از اسکندر، الملل والنحل للشهرستانی، علم الکلام، الرد علی المنطقین، کتاب صریح المعقول ببیان المنقول ،اخلاق وفلسفہء اخلاق۔

درجہ فاضل تاریخ اسلامی کا تفصیلی نصاب

درجہ پانزدہم: سیرت النبی جلد اول ودوم، محاضرات التاریخ السلام، مقدمہ ابن خلدون، تاریخ الاسلام السیاسی۔

درجہ فاضل تاریخ اسلامی میں کتب برائے مطالعہ:

مسلمانوں کا عروج وزوال سعید احمد اکبرآبادی، تاریخ اسلام حصہ دولت بنی امیہ و بنی عباس از شاہ معین الدین احمد ندوی، تمدن عرب از موسیو لیبان ،فتوح البلدان بلاذری، آئینہ حقیقت نما اکبر شاہ خان نجیب آبادی، ہندوعرب کے تعلقات سید سلیمان ندوی۔

درجات تخصص ''علامہ'' کے مضامین

درجہ تخصص ''علامہ'' تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) علامہ تفسیر (۲) علامہ حدیث (۳) علامہ فقہ۔

درجہ علامہ کی سند کے لئے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام وغیرہ میں سے کسی ایک مضمون میں تخصص حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

درجہ تخصص ''علامہ تفسیر'' کا تفصیلی نصاب

علامہ تفسیر کے لیے موضوعات ذیل کا خصوصی مطالعہ کسی استاد کی نگرانی میں ضروری ہوگا:

تاریخ القرآن، تاریخ علم التفسیر، لغات القرآن واعرابہ و مشکلاتہ و متشابہاتہ، احکام القرآن، عقائد القرآن و حجة اخبار القرآن و ارضہ،اعجازالقرآن و تنزیھه عن المطاعن، الانموذجات من التفسیر بالروایة و الدرایة و الکلام و اللغة و المعانی و البیان۔

درجہ تخصص ''علامہ حدیث'' کا تفصیلی نصاب

علامہ حدیث کے لیے موضوعات ذیل کا خصوصی مطالعہ کسی استاد کی نگرانی میں ضروری ہوگا:

تاریخ تدوین علم الحدیث، سیرت صاحب الحدیث علیه السلام، تاریخ رجال الحدیث وطبقاتھم، علوم الحدیث و مبادیه، مزایا مجامیع الاحادیث المتداولة و قیمتها عند اصحاب الحدیث، الاحادیث (الصحاح الستہ مع شرح المعانی الآثار للطحاوی) الکلیات الاستقرائیه لبیان الوضع من الروایة و الدرایة، الاحادیث الموضوعة و المشتھر علی الالسنة۔

درجہ تخصص ''علامہ فقہ'' کا تفصیلی نصاب

علامہ فقہ کے لیے موضوعات ذیل کا خصوصی مطالعہ کسی استاد کی نگرانی میں ہوگا:

تاریخ الفقه و تاریخ اصحابه و طبقاتھم، اصول الفقه و تاریخ التشریع

الاسلامی، العبادات و المعاملات و الحدود و السیر، الخلافیات و مبناھا۔

مدرسہ عالیہ اور سرکاری اسکولوں کا نصاب

کمیٹی نے اس رپورٹ کے نوٹ میں لکھا ہے:

''مدرسہ عالیہ رامپور کے تمام درجات کے نصاب میں شامل مضامین کا معیار اس کے اہم یا خصوصی مضمون (مثلا دینیات، مبادی، منطق و فلسفہ، منطق و فلسفہ قدیم، عربی ادب، قرأت، حفظ قرآن، خطاطی و نقاشی وغیرہ) کے علاوہ وہی ہوگا جو اتر پردیش کے اس وقت کے بیسک اسکولوں، جونیئر ہائی اسکولوں، بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن یوپی اور آگرہ یونیورسٹی کے مقابل درجات کا ہے، وقتاً فوقتاً جو ترمیمیں ان کے معیار میں ہوں گی، ان ہی کے مطابق مدرسہ عالیہ کے ان ہی مضامین کے معیار میں بھی ترمیم لازم ہوگی''۔(۱)

(۱) سب کمیٹی رپورٹ مشمولہ مدرسہ عالیہ رامپور ۵۵

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کی ترتیب کے زمانہ کے سرکاری اسکولوں کا نصاب بھی ذکر کر دیا جائے؛ تا کہ ہر پہلو سے بات واضح ہو جائے:

نصاب بیسک مکاتب ۱۹۵۴ء

(۱) حرفہ (ابتدائی کھیتی اور باغبانی مع متعلقات۔ کتائی، دست کاری مع متعلقات) (۲) زبان(ہندی اور کوئی مادری زبان، اگر مادری زبان ہندی نہ ہو۔) (۳) حساب (۴) معاشرتی علوم (تاریخ، جغرافیہ، بلدیات) (۵) زراعت اور عام سائنس (۶) ورزش جسمانی۔

نصاب جونیر ہائی اسکول ١٩٥٤ء

درجات ٦، ٧، ٨۔

لازم مضامین:

(١) حرفہ (زراعت یا نجاری یا صحافی یا دباغی یا ...)(٢) ہندی مع سنسکرت (٣) ریاضی (حساب، ہندسہ، جبر و مقابلہ) (٤) معاشرتی علوم (٥) عام سائنس (٦) ورزش جسمانی۔

اختیاری مضامین (کوئی دو)

(١) انگریزی (٢) ہندوستانی زبان ہندی کے علاوہ (اُردو بنگلہ وغیرہ) (٣) قدیم زبان (عربی، فارسی، سنسکرت) (٤) موسیقی (٥) مبادیٔ تجارت (٦) فنون لطیفہ۔

نصاب ہائی اسکول ١٩٥٨ء

درجات ٩، ١٠۔

لازم مضامین:

(١) ہندی (٢) ہندوستانی زبان ہندی کے علاوہ یا غیر ملکی زبان (انگریزی) وغیرہ (٣) ریاضی

اختیاری مضامین برائے ادبی گروپ (٣ مضامین):

(١) تاریخ مع متعلقہ جغرافیہ (٢) جغرافیہ (٣) بلدیات (٤) قدیم زبان (عربی یا فارسی یا سنسکرت یا....) (٥) غیر ملکی زبان بشرطیکہ لازم کی حیثیت سے نہ لی ہو، (انگریزی وغیرہ) (٦) ڈرائنگ یا موسیقی (٧) اقتصادیات

سائنس گروپ:

(۱) سائنس (طبیعیات و کیمیا)(۲) حیاتیات (نباتیات وحیوانیات)(۳) اختیاری ادبی میں سے کوئی ایک۔

کامرس گروپ:

(۱،۲) کامرس (برابر دو مضمون)(۳) اختیاری ادبی میں سے کوئی ایک۔

تعمیری گروپ:

(۱،۲) حرفہ (نجاری یا صحافی یا...) برابر دو مضمون (۳) اختیاری ادب میں سے کوئی ایک۔

نصاب انٹرمیڈیٹ درجات ۱۹۵۸ء

درجات ۱۱،۱۲۔

لازم مضامین:

(۱) ہندی (۲) ہندوستانی زبان ہندی کے علاوہ یا غیر ملکی زبان (انگریزی وغیرہ)

اختیاری مضامین برائے ادبی گروپ (۳ مضامین)

(۱) ہندوستانی زبان ہندی کے علاوہ بشرطیکہ وہ لازم کی حیثیت سے نہ ہو (۲) تاریخ (۳) جغرافیہ (۴) بلدیات (۵) ریاضی (۶) اقتصادیات (۷) قدیم زبان (عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ)(۸) نفسیات یا اصول تعلیم (۹) منطق (قیاسی واستقرائی)(۱۰) ڈرائنگ یا موسیقی (۱۱) فنون حرب۔

سائنس گروپ کے مضامین (کوئی تین مضامین)

(۱) طبیعیات (۲) کیمیا (۳) حیاتیات (۴) ریاضی (۵) فنون حرب یا

ڈرائنگ یا...

کامرس گروپ:

(۱،۲) کامرس (= دو مضامین) (۳) اقتصادیات یا جغرافیہ یار یاضی یا تاریخ۔

کانسٹرکٹو گروپ

(۱،۲) حرفہ (نجاری یا صحافی یا خیاطی یا دباغی یا ...) (۳) اختیاری ادبی میں سے کوئی ایک۔

نصاب بی اے آگرہ یونیورسٹی ۵۹-۱۹۵۸ء

لازم مضامین:

(۱) لازم اے۔ عام ہندی (۲) لازم بی۔ عام انگریزی

اختیاری مضامین (کوئی تین)

(۱) انگریزی ادب (۲) عربی یا فارسی یا عبرانی یا...(۳) اردو یا ہندی یا مراٹھی یا...(۴) ریاضی (۵) فلسفہ (۶) اقتصادیات (۷) سیاسیات (۸) تاریخ (۹) جغرافیہ (۱۰) اجتماعیات (۱۱) نفسیات (۱۲) اصول تعلیم (۱۳) فنون حرب (۱۴) وغیرہ

تمت بالخیر

ارشادات اکابر

مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

پیش نظر کتاب انہی دونوں رسالوں (کف المومنات عن حضور الجماعات اور صلوۃ الصالحات) کی تحقیق وتخریج پر مشتمل ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی تحریر میں ذکر کردہ عبارات اور روایات وآثار کی تحقیق وتخریج کی گئی ہے، جس سے اہل علم کے لئے استفادہ اور نفس مسئلہ کے سلسلے میں استدلال آسان ہوگیا ہے۔ کتاب کے مرتب جناب مفتی سعید الظفر صاحب قاسمی اہل علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی محنت اور تلاش وجستجو کے ذریعہ ان کی تحقیق وتخریج کر کے ان کی علمی حیثیت کو دوبالا کردیا۔ اللہ تعالی اس علمی خدمت کو قبول فرمائے اور مؤلف کو مزید علمی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین

مولانا عبدالخالق مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ایک صدی قبل یہ رسالے (کف المومنات عن حضور الجماعات اور صلوۃ الصالحات) تصنیف ہوئے تھے اور کافی مدت سے نایاب تھے، مولوی سعید الظفر سلمہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان کی اشاعت کا ارادہ کیا اور بڑی خوش اسلوبی سے تحقیق وتخریج کی ذمہ داری نبھائی ہے، نیز عنوانات کا اضافہ کر کے رسالوں کو عام فہم سے قریب کردیا ہے۔ احقر دعا گو ہے کہ اللہ تعالی اس محنت کو قبول عام وخاص عطا فرمائیں اور ہر طرح کی ترقیات سے نوازیں۔ آمین

ناشر
دارالترجمۃ والتحقیق
ٹنڈولہ ٹانڈہ، رامپور